اذان کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ

اذان کے آخر میں ”محمد رسول الله“ پڑھنا خلاف سنت ہے:

سوال: ہمارے شہر کی جامع مسجد کے پیش امام صاحب جب اذان دیتے ہیں، تو اذان کے آخری الفاظ ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله“ کے ساتھ ”محمد رسول الله“ بھی پڑھتے ہیں، جب کہ اذان کے آخری الفاظ پورا کلمہ طیبہ کے طور پر نہیں پڑھے جاسکتے، کیا اس طرح اذان درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

آپ کے امام صاحب خلاف سنت کرتے ہیں، اذان ”لا إله إلا الله“ پر ختم کی جاتی ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۲۹۶-۲۹۷)

اذان کے ختم پر ”محمد رسول الله“ کہنا:

سوال: جوابِ اذان میں اخیر کلمہ ”لا الٰه الا الله“ کے بعد اگر کوئی شخص ”محمد رسول الله“ پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس جگہ ثابت نہیں، (۲) ویسے جس طرح ”لا إله إلا الله“ پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح ”محمد رسول الله“ پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۲/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۳۳)

---

(۱) كما في أذان عبد الله بن زيد بن عبد ربه الأنصاري. (مشكوٰة: ٦٤) أخرجه البخاري في خلق أفعال العباد، باب أفعال العباد: ١/٥٤/ وابن أبي شيبة في تاريخ المدينة، موافقات أخرىٰ عن عروة بن رويم: ٣/٨٦٧/ وأبو داؤد في سننه، باب كيف الأذان (ح: ٤٩٩)/ وابن الجارود في المنتقىٰ، باب ماجاء في الأذان (ح: ١٥٨)/ ابن حبان في صحيحه (ح: ١٦٧٩)/ والبيهقي في السنن الصغرىٰ، باب السنة في الأذان والإقامة للصلاة (ح: ٢٧٣) والكبرىٰ، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٥)==

اجابت اذان میں ''محمد رسول اللّٰہ'' بڑھانا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے، تو اجابت اذان جو کی جاتی ہے، تو آخری کلمہ ''لا إلٰه اللّٰه'' کے بعد اجابت میں ''محمد رسول اللّٰه'' بھی پڑھنا چاہئے، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بڑھانا گناہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پورا کلمہ پڑھنا چاہئے، اس میں کونسا قول صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نامعلوم......١٠/٥/١٩٩٠ء)

الجواب

اجابت اذان سنت ہے اور اپنی طرف سے اذان کے کلمات کی زیادت بدعت سیئہ ہے۔(١) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ٢/١٧٥)

☆☆☆

== وأيضاً: كما في أذان أبي محذورة. (مسند الإمام أحمد، أبو محذورة المؤذن (ح: ١٥٣٧٩)/سنن أبي داؤد، باب كيف الأذان (ح: ٥٠٠)/الصحيح لابن حبان، ذكر البيان بأن المؤذن إذا رجع في أذانه (ح: ١٦٨٢)/المعجم الكبير للطبراني، سمرة بن معيز أبو محذورة الجمحي مؤذن رسول الله، الخ (ح: ٦٧٣٥) انيس)

(٢) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کی اذان میں محمد رسول اللہ کا اضافہ نہیں ہے۔ اذان میں ایسا اضافہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، فقہاء کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انیس

حاشیہ صفحہ هذا:

(١) قال العلامة الحصكفي: (بأن يقول) بلسانه (كمقالته) إن سمع المسنون منه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله كمقالته) أي مثلها في القول لا في الصفة من رفع صوت ونحوه. (رد المحتار على هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ١/٢٩٢)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس فيه فهو رد. (الصحيح للبخاري، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود (ح: ٢٦٩٧)/الصحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة ومحدثات الأمور (ح: ١٧١٨) انيس

اذان کا اعادہ-احکام ومسائل

اذان کے الفاظ غلط پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مؤذن ہے، جو اذان کے بعض الفاظ اسی طرح پڑھتا ہے کہ ''ألـلّٰه أكبر'' کے 'ها' پر فتحہ اور ''حي على الفلاح'' میں ''الفلاح'' کے 'فا' کلمہ پر ضمہ پڑھتا ہے، تو اذان دینا صحیح ہے یا غلط؟ ہمیں جلدی جواب سے نوازیں، زیادہ آداب وسلام عرض ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی حکیم قلم خان لنڈی کوتل......۶/۳/۱۹۷۸ء)

الجواب

اس مؤذن کے لئے الفاظ درست کرنے سے قبل اذان دینا مکروہ ہے۔

في الدر المختار: (ولا لحن فيه) أي تغني يغير كلماته فإنه لايحل، الخ. (ردالمحتار: ۳۵۹/۱)(۱) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۷۷/۲)

اذان یا تکبیر غلط کہے تو اسے لوٹائے یا نہیں:

سوال: کوئی شخص اذان یا تکبیر غلط کہے تو دوبارہ لوٹائی جاوے یا نہیں؟

الجواب

لوٹائی جاوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۲۰/۲)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: (قوله يغير كلماته) أي بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر. قهستاني. (ردالمحتار هامش الدر المختار، قبيل مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۲۸۵/۱)

كذا في جامع الرموز للقهستاني، فصل الأذان: ۷۰، مظهر العجائب كلكته. انيس

(۲) غلط اذان سے جب اذان مسنون ادا نہ ہوئی تو اس کا اعادہ ہوگا، جس طرح غیر عاقل بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی۔

"وصبي غير العاقل إذا أذن يجب أن يعاد لعدم حصول المقصود، الخ، ولو قدم في أذان وإقامة شيئاً علیٰ محله يعود إلى الترتيب ولا يستأنف. (غنية المستملي: ۳۶۱، ظفير)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لو قدم البعض على البعض ترك المقدم ==

اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ:

سوال (الف) اذان میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ میں مؤذن نے ”أشهد أن محمدٌ رسول الله“ پڑھا، تو اذان فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(ب) ایسی اذان کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(ج) ایسی غلط اذان پر مؤذن گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ معنیٰ نہیں سمجھتا اور محض نادانی اور جہل کے باعث غلط پڑھتا ہے۔

(د) پہلی مرتبہ غلط پڑھنے پر یعنی ”أنّ“ کی جگہ ”أنا“ پڑھنا مؤذن کو دوبارہ ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ نہ پڑھنے دینا اور اذان ایسے ہی روک دینا اور خود یا دوسرے سے جو صحیح پڑھ سکے، اسی سے اذان پڑھوانا شروع کر دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ (محمد احمد عفی عنہ، ٢/٢١/١٣٥٩ھ)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس طرح اذان میں پڑھنا ناجائز اور غلط ہے، مؤذن کو چاہئے کہ اذان کو صحیح کرے، اگر وہ بالقصد اس طرح پڑھتا ہے، تو گناہ گار ہے۔ (١)

گو وہ صحیح طریقہ سے اذان کے کلمات کو ادا نہیں کر سکتا، تو اس کو چاہئے کہ اذان کے کہنے سے احتراز کرے، اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے اور غلط اذان کہنے سے باز نہ آئے اور دوسرا شخص اذان کہنے والا موجود ہو، تو پھر اس دوسرے شخص کو اذان کے لئے متعین کر دیا جائے۔ (٢)

تاہم جو اذانیں وہ اس غلط طریقہ پر پڑھ چکا ہے، ان کا اعادہ واجب نہیں۔ (٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢/٩/١٣٥٩ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم ربیع الاول ١٣٥٩ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، یکم ربیع الاول ١٣٥٩ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤٤٧-٤٤٨)

== ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا وكذلك إذا ثوّب بين الأذان والإقامة في الفجر فظن أنه في الإقامة فأتمها ثم تذكر قبل الشروع في الصلاة فالأفضل أن يأتي بالإقامة من أولها إلى آخرها مراعاة للترتيب. ودليل كون الترتيب (واجب) أن النازل من السماء رتب، وكذا المروي عن مؤذني رسول الله صلى الله عليه وسلم أنهما رتبا، ولأن الترتيب في الصلاة واجب والأذان شبيه بها فكان الترتيب فيه سنة. (بدائع الصنائع، فصل في بيان سنن الصلاة: ١/١٤٩. انيس)

(١) ”الأذان: (هو)... (إعلام مخصوص)... (على وجه مخصوص بألفاظ كذلك)... (ولا لحن فيه) أي تغني بغير كلماته فإنه لايحل فعله وسماعه“. (الدر المختار) ==

اذان کے ادھورے فقرے کو دوبارہ دہرانا:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد کے مولانا نے ابھی چندروز قبل فجر کی اذان دیتے وقت میری نظر میں ایک غلطی کی تھی، مولانا فجر کی اذان دے رہے تھے کہ ان کو درج ذیل ادھورے جملے پر کھانسی آ گئی "**الصلاۃ خیر من**" اور کھانسنے لگے اور اس کے بعد انہوں نے نئے سرے سے دومرتبہ اس جملے کو دہرایا، میرے خیال میں ان جملوں کی تعداد تین ہوگئی۔ اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اس میں مولانا صاحب کی غلطی ہے یا نہیں؟ اگر تھی، تو پھر کیا ان کو اذان دوبارہ کہنی چاہیے تھی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے، تو اب جب کہ وہ وقت (فجر) بھی نکل گیا ہے، تو آپ بتایئے کہ اس کا کفارہ مولانا صاحب کس طرح ادا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

جب پورا فقرہ نہیں کہہ سکے تھے، تو اس کو دہرانا ہی چاہیے تھا، اس لیے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ (١) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٢٩٧)

کلمات اذان میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو وہاں سے اعادہ کرے:

سوال: اگر مؤذن اذان یا اقامت غلط کہے مثلاً "**حی علی الصلاۃ**" سے پہلے "**حی علی الفلاح**" کہہ دے، تو اذان کا اعادہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

== "(قوله يغير كلماته): أي بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها في الأوائل والأواخر. قهستاني". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٣/١-٣٨٧، سعيد) (قبيل مطلب في أول من بنى المنابر للأذان)

"لأن اللحن حرام بلا خلاف". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر، الخ: ٣٧١/٥، رشيدية)

(٢) "(و) لا (غير الألثغ به) أي بالألثغ (على الأصح) كما في البحر عن المجتبىٰ، وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أوترك جهده أووجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ: ٥٨١/١، سعيد)

(٣) "(و) سببه (بقاء دخول الوقت، وهو سنة)... (مؤكدة)... (للفرائض)... (في وقتها ولوقضاء)؛ لأنه سنة للصلاة حتىٰ يبرد لا للوقت، (لا) يسن (لغيرها) كعيد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٤/١، سعيد)

حاشيه صفحه هذا:

(١) ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوقدم البعض على البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا. (بدائع الصنائع، فصل بيان سنن الصلاة: ١٤٩/١. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

"حی علی الفلاح" پہلے کہنے کی صورت میں "حی علی الصلاة" کے بعد پھر "حی علی الفلاح" کہے۔

قال في شرح التنوير: ولو قدم فيهما مؤخرًا أعاده ما قدم فقط. (الدر المختار)

وفي الشامية: كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط ؛ أي ولا يستأنف الأذان من أوله. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)(١) **فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم**

٢٣/ رجب ١٣٨٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥)

اذان سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے، تو اذان لوٹائے:

سوال: اذان واقامت میں اگر کوئی لفظ بھول جائے اور بعد اذان واقامت کے یاد آئے، تو اذان واقامت یہی کافی ہے، یا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر اذان واقامت کے فوراً بعد یاد آ گیا، تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا، وہاں سے اعادہ کرے اور اگر کچھ دیر کے بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

قال في العلائية: (ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين، ويكره تركه وتندب إعادته ... ثم قال: ولو قدم فيهما مؤخرًا أعاد ما قدم فقط (ولا يتكلم فيهما) أصلاً ولو رد سلام، فإن تكلم استأنفه. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/ ٣٥٩ـ ٣٦١)(٢)

وفي الشامية: (قوله أعاد ما قدم فقط كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط ؛ أي ولا يستأنف الأذان من أوله (قوله استأنفه) إلا إذا كان الكلام يسيرًا، خانية. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)

ان عبارات میں نقص صفت سے حکم اعادہ مذکور ہے، پس نقص ذات سے بطریق اولیٰ اعادہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

١٠/ صفر ١٣٩٤ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥) ☆

---

(١) باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ١/ ٣٨٩، دار الفكر بيروت
حتى لو قدم البعض على البعض يعيد ثم يؤذن. (البناية شرح الهداية، ما يسن في الأذان والإقامة: ٢/ ٩٦. انيس)

(٢) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان، انيس

☆ اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے:

سوال: اگر اذان کہنے کے درمیان ایک یا دو کلمے چھوٹ جائیں (بھول کر) تو اذان ہوگی یا نہیں؟ ==

اذان میں کوئی کلمہ بھول سے چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: مؤذن صاحب اذان کہہ رہے تھے، وہ اذان کہتے کہتے بیچ میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ یا ”حی علی الصلاۃ“ بھول گئے، جب اذان پوری کہہ چکے، تو بعد میں یاد آیا فلاں حرف رہ گیا، کیا اذان اس صورت میں دوبارہ کہی جائے گی، یا وہی کافی ہے؟

هــو المـصـوب

دریافت کردہ صورت میں اذان لوٹائی جائے گی، اذان کی تقدیم وتاخیر سے اذان لوٹانی پڑتی ہے، اسی طرح چھوٹ جانے سے بدرجۂ اولیٰ لوٹانی پڑے گی۔(١)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٣٦٩/١)

کلمات اذان میں توقف نہ کیا تو اعادہ مستحب ہے:

سوال: اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر مسنون ہے، اس سنت کے ترک سے اذان واقامت کا اعادہ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

==

هــو المـصـوب

اذان دہرانی ہوگی۔(ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان وأن يوالي بينهما حتى لو ترك الموالاة فالسنة أن يعيد.(الفتاویٰ التاتارخانية: ٣١٩/١)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لو قدم البعض علىٰ البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا.(بدائع الصنائع: ٣٦٩/١))

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٣٦٩/١)

(١) وإذا قدم في أذانه أوفي إقامته بعض الكلمات علىٰ بعض نحو أن يقول أشهد أن محمدًا رسول الله قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه فالأفضل في هذا أن ما سبق علىٰ أوانه لايعتد به حتى يعيد في أوانه وموضعه وإن مضى علىٰ ذلك جازت صلاته.(الفتاویٰ الهندية: ٥٦/١، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة)

وإذا قدم المؤذن في أذانه وإقامته بعض الكلمات علىٰ البعض نحو أن يقول أشهد أن محمدًا رسول الله قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا الله فالأفضل في هذا أن ما سبق أوانه لايعتد به حتى يعيد في أوانه وموضعه؛لأن الأذان شرعت متطوعة مترتبة فتؤدي علىٰ نظيره وترتيبه إن مضى علىٰ ذلك جازت صلاتهم.(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ٣٤٨/١.انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جا سکے، مسنون ہے، اس سنت کا ترک مکروہ ہے، اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ اقامت کے کلمات میں سنت یہ ہے کہ توقف نہ کرے، بلکہ جلدی کہے، مگر اس میں ترک سنت سے اعادہ مستحب نہیں۔

قال في العلائية:(ويترسل فيه)بسكتة بين كل كلمتين،ويكره تركه وتندب إعادته...

ثم قال:(ويحدرفيها)فلوترسل لم يعدها في الأصح.(الدرالمختار)

وفي الشامية: بخلاف ما لوحدر في الأذان حيث تندب إعادته كمامر لأن تكرار الأذان مشروع أي كما في يوم الجمعة بخلاف الإقامة وعليه فما في الخانية من أنه يعيد الإقامة مبنى علٰى خلاف الأصح وتمامه في النهر.(رد المحتار: ۱/۳٦۱)(۱)**فقط والله تعالٰى أعلم**

۸/ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸٦)

"الصلوٰة خير من النوم" چھوڑ دیا:

سوال: صبح کی اذان میں "الصلوٰة خير من النوم" کہنا یاد نہیں رہا، تو کیا اذان ہوگئی؟ یا دوبارہ کہی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

اذان فجر میں "الصلوٰة خير من النوم" کہنا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد فوراً یاد آ گیا، تو بہتر ہے کہ یہ جملہ کہہ کر بعد کے کلمات کا اعادہ کرے اور اگر دیر سے علم ہوا، تو اعادہ نہ کرے۔

قال في شرح التنوير:(ويقول)ندباً(بعد فلاح أذان الفجر:"الصلاة خير من النوم"مرتين).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالٰى:فيه رد علٰى من يقول إن محله بعد الأذان بتمامه وهواختيار الفضلي،بحرعن المستصفى.(رد المحتار: ۱/۳٦۰)(۲) **فقط والله تعالٰى أعلم**

۱۵/رجب ۱۳۹۴ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸٦)

اولِ وقت میں اذان کہہ دی؛ کیا اعادہ کرے:

سوال: آج کل عصر کا وقت چار بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہو جاتا ہے، دوامی جنتری کے حساب سے اتفاق سے زید نے چار بجے عصر کی اذان پڑھ دی، اس اذان کا اعادہ ضروری ہے یا صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے کافی سمجھا جائے گا؟

(۱-۲) کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في أول من بنى المنابر،انيس

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

احوط یہ ہے کہ اذان دوبارہ کہی جائے۔(۱) تکرارِ اذان مشروع ہے۔(۲)

اگر اذان دوبارہ نہ کہی گئی تب بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ جماعت بلا اذان ہوئی، کیونکہ صاحبین کے نزدیک وقت ہوگیا تھا، کیونکہ صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل رہتا ہے اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۱/۱/۱۳۹۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۶/۵-۴۴۷)

موجودہ دور میں نقشہ اوقات اذان کا حکم اور قبل از وقت اذان کا اعادہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب کی پہچان کا تجربہ نہ ہو، تو اس کے لئے آج کل چھاپ شدہ نقشوں پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) ”(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰی بلوغ الظل مثليه)...(سوی فيء)... (الزوال)...(ووقت العصر منه إلٰی)قُبيل (الغروب)“.(الدر المختار)

”الأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلی المثل،وأن لا يصلی العصر حتٰی يبلغ المثلين،ليكون مؤدياً للصلاة في وقتهما بالإجماع“.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۵۹/۱، سعيد)

”حتٰی لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزيه،ويعيده إذا دخل الوقت في الصلاة في قول أبي حنيفة ومحمد“.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ۶۵۸/۱،دار الكتب العلمية،بيروت)

”إذا أذن قبل الوقت يكره الأذان والإقامة،ولا يؤذن لصلاة قبل الوقت“.(الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،باب الأذان،نوع آخر في بيان الصلوات التي لها أذان والتي لا أذان لها: ۵۲۲/۱،إدارة القرآن،كراچی)

قال:(وإن أذن قبل دخول الوقت لم يجزه ويعيده في الوقت)لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت يكون تجهيلاً لا إعلاماً ولأن المؤذن مؤتمن قال صلی اللّٰه عليه وسلم:”الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين“،وفي الأذان قبل الوقت إظهار الخيانة فيما ائتمن فيه ولو جاز الأذان قبل الوقت لأذن عند الصبح خمس مراتٍ لخمس صلوات وذلك لا يجوّزه أحد ، و لا خلاف فيه إلا في صلاة الفجر.(المبسوط للسرخسي،باب الأذان: ۱۳۴/۱ .انيس)

(۲) ”والأشبه أن يعاد الأذان دون الإقامة؛لأن تكرار الأذان مشروع في الجملة كما في الجمعة دون الإقامة“.(تبيين الحقائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۴۹/۱،دار الكتب العلمية،بيروت)

(۳) ”(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰی بلوغ الظل مثليه)وعنه مثله،وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة.قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ ... (سوی فيء) ... (الزوال) ... (ووقت العصر منه إلٰی)قُبيل(الغروب)“.(الدر المختار علی صدر رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۵۹/۱،سعيد)

==

(۲)　وقت سے قبل اذان دینے پر جو اعادہ واجب ہے وہ کتنے منٹ قبل اذان دینے پر ہے ایک شخص نے دس منٹ قبل اذان دینے پر اعادہ کا کہا ہے جواب سے نوازیں اور اجر داریں حاصل کریں۔

(المستفتی: نامعلوم......۱۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء)

الجواب

(۱)　چونکہ ان نقشوں کا دارومدار تقلید اغیار پر ہوتا ہے، نہ کہ مشاہدات پر، لہٰذا بجائے اس کے کہ ان پر اعتماد کیا جائے، احوط یہ ہے کہ مشاہدہ پر اعتماد کیا جائے اور طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل اذان دی جائے اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھی جائے۔(۱)

(۲)　آدھا منٹ اور اس سے بھی کم موجب اعادہ ہے۔(۲) **هو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۱۷۹/۲)

وقت مقرر سے پہلے دی گئی اذان کا حکم:

سوال:　قصداً یا سہواً وقت مقرر سے دس، بیس منٹ پہلے اذان پکار دی گئی، تو اسی اذان سے نماز پڑھنی چاہئے یا دوبارہ اذان پکارنا ضروری ہے؟

الجواب　و باللّٰہ التوفیق

وقت مقررہ کچھ ہو، اگر نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو اذان درست ہے دوبارہ نہیں دی جائے گی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۲۲/۱۲/ ۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۱۳/۲-۱۱۴)

==　"فعندهما: إذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر، ودخل وقت العصر، وهو رواية محمد عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر". (المبسوط، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ۲۹۰/۱، غفارية كوئٹه)

(۱)　وفي المنهاج: قلت وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۰/۲)

(۲)　قال في الهندية: تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وإن قدم يعاد في الوقت، هكذا في شرح مجمع البحرين لابن ملك، وعليه الفتوىٰ هكذا في التاتارخانية ناقلاً عن الحجة. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في صفة أحوال المؤذن: ۵۳/۱)

وقال العلامة عبد الحيء اللكهنوي: (قوله: في وقتها) أي فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لو قدم بعض كلماته على الوقت ووقع بعضها في الوقت يلزم استيناف الكل. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ۱۵۲/۱)

(۳)　جس نماز کے لئے اذان دی گئی ہے، اگر اس نماز کے مقررہ شرعی وقت سے پہلے اذان دی گئی، تو اس کا اعتبار نہیں، دوبارہ اذان دینی ہوگی۔ اور اگر شرعی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی گئی جو مسجد کی انتظامیہ کے مقرر کئے گئے وقت سے پہلے ہے، تو کوئی حرج نہیں، اذان معتبر ہوگی۔ [مجاہد]　==

صبح صادق اور اذان کے اوقات کی پہچان اور قبل از وقت اذان ونماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب جاننا مشکل ہو ، جیسے عام لوگ ، تو ان کے لئے مساجد میں آویزاں شدہ نقشوں کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نقشہ کے حساب سے پندرہ منٹ پہلے اذان دی جائے تو کیا ان کی اذان درست ہوگی اور اگر مسافر اذان سنتے ہی اس اذان پر نماز پڑھ لے تو کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: رحم الدین بام خیل صوابی......٢١ر دسمبر ١٩٨٣ء)

الجواب

ان نقشوں کی پابندی نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع، ہمارے مشاہدے کے مطابق صبح صادق، طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل ظاہر ہوتا ہے۔(١) لہٰذا اس سے قبل جو اذان دی جائے وہ معاد کی جائے گی، اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو بھی معاد کی (لوٹائی) جائے گی۔(٢) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/١٨٠-١٨١)

وقت سے پہلے اذان:

سوال: کیا اذان وقت شروع ہونے سے پہلے دی جا سکتی ہے؟ مثلاً: فجر کی اذان کا وقت ٥/٣٧ منٹ پر شروع ہو تو کیا ٥-٣٠ پر اذان دی جا سکتی ہے؟　　(محمد جاوید خان، وجے نگر کالونی)

الجواب

اذان کا مقصد نماز کا وقت شروع ہو جانے کی اطلاع دینا ہے، اگر وقت شروع ہو جانے سے پہلے ہی اذان دے دی جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا، اور لوگ بھی غلط فہمی میں پڑیں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان دینی چاہئے، قبل از وقت اذان دینی درست نہیں، اور اگر دے دی جائے تو اس کا اعتبار نہیں، خواہ فجر کا

== "وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ماهو وقت الصلوات المكتوبات حتى لو أذن قبل دخول الوقت لايجزيه ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد". (بدائع الصنائع: ١/٤٢١)

(١) قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/١٠)

(٢) قال العلامة عبد الحيء اللكهنوي: (قوله: في وقتها) أي فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لو قدم بعض كلماته على الوقت ووقع بعضها في الوقت يلزم استيناف الكل وكذا تجب إعادة الإقامة قبل الوقت. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ١/١٥٢)

وقت ہو یا کسی اور نماز کا وقت۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال! جب تک صبح طلوع نہ ہوجائے اذان نہ دو، "يا بلال! لا تؤذن حتى يطلع الفجر". (١)

نیز حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بار صبح سے پہلے ہی اذان دے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ بندہ سو گیا تھا "إن العبد قد مات". (٢)

تا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو، (٣) معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دینا ضروری ہے۔ قبل از وقت اذان دینی درست نہیں اور اگر دے دے تو اذان کا لوٹانا واجب ہے، ... یہ حنفیہ کی رائے ہے، البتہ بعض فقہا کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں رات کے اخیر حصہ میں اذان دینے کی گنجائش ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۲۹-۱۳۰)

(١) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ١/٥٦٥، حدیث نمبر: ١٨٠٢، ابوداؤد میں بھی اس معنی کی حدیث: "حتى يستبين لك الفجر" کے الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ٥٣٤، باب الأذان قبل دخول الوقت۔ محشی

عن أبي هريرة عن بلال قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يتسحر بتمر فقال: يابلال! ادن فكل، يابلال! لاتؤذن حتى يطلع الفجر، ثم قال: ثم أتيته بالثانية وهو يتسحر بتمر فقال: يابلال! ادن فكل، يابلال! لاتؤذن حتى يصير الفجر هكذا، وأشار وجمع محمد بين أصبعيه السبابتين وفتحهما وأرانا أبو عبدالله. (مسند الروياني، حديث بلال مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ٧٤٨) ونحوه في السنن الكبرىٰ للبيهقي عن شداد مولىٰ عياض عن بلال، باب رواية من روى النهي عن الأذان قبل الوقت (ح: ١٨٠٢) انيس)

عن شداد مولىٰ عياض بن عامر عن بلال أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: لا تؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذا ومد يديه عرضًا. (سنن أبي داؤد، باب في الأذان قبل دخول الوقت (ح: ٥٣٤) [قال أبو داؤد: شداد مولىٰ عياض لم يدرک بلالاً. قال الألباني: حديث حسن. (صحيح أبي داؤد: ٣/٤٥)]

عن أبي محذورة أنه أذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم و لأبي بكر وعمر، فكان لا يؤذن حتى يطلع الفجر. (مصنف ابن أبي شيبة، من كره أن يؤذن قبل الفجر (ح: ٢٢٢٢) انيس)

(٢) ابوداؤد، اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، دار قطنی، دارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں یہ حدیث "إن العبد قد نام" کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے، اگر چہ مفہوم دونوں حدیث کا تقریباً برابر ہی ہے۔ سنن ابوداؤد: ١/٧٩، حدیث نمبر: ٥٣٢، باب في الأذان قبل دخول الوقت.

عن ابن عمر أن بلالاً أذن قبل طلوع الفجر فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يرجع فينادي: ألا إن العبد قد نام، ألا إن العبد قد نام. (سنن أبي داؤد، باب في الأذان قبل الوقت (ح: ٥٣٢) / مصنف عبدالرزاق، باب الأذان في طلوع الفجر (ح: ١٨٨٨) / سنن الترمذي، باب ماجاء في الأذان بالليل (١/٢٧٧) / شرح معاني الآثار، باب التأذين للفجر (ح: ٨٦٤) / السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب رواية من روى النهي عن الأذان قبل الوقت (ح: ١٨٠٣) / مسند البزار عن الحسن عن أنس بن مالك، مسند أبي حمزة أنس بن مالك (ح: ٦٦٦٧) / الكنىٰ والأسماء للدولابي، من كنيته أبو نصر وأبو نصيرة أبو نصر يحيىٰ (ح: ١٩٢٣) / معجم ابن الأعرابي، باب الجيم (ح: ١٤٢٤) / سنن الدارقطني، باب ذكر الإقامة واختلاف الروايات فيها (ح: ٩٥٤) / معرفة السنن والآثار، الأذان قبل طلوع الفجر (ح: ٢٤٢٤) / مسند الفاروق لابن كثير، كتاب الإيمان (٢/٦٤٣) انيس)

(٣) لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت يكون تجهيلاً لا إعلاماً. (المبسوط للسرخسي، باب الأذان: ١/١٣٤. انيس)

وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر وقت سے پہلے مثلاً قبل الزوال اذان ہو جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اختر گل ظہران افریقہ.....۲۷/۱۱/۱۹۷۵ء)

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذان قبل الزوال جائز نہیں ہے۔

لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بالوقت وفی الأذان قبل الوقت تجهيل لهم، (۱)ولم يرو فيه حديث ثابت حتیٰ يترک به القياس. (۲)وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۷۴)

رمضان المبارک میں عشا کی اذان قبل از وقت کہنا:

سوال: رمضان شریف کے مہینے میں کچھ لوگ جلدی تراویح پڑھنے کے واسطے مغرب کے وقت میں ہی عشا کی اذان دے دیتے ہیں، ابھی عشا کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا ہے اور عشا کی اذان دے دیتے ہیں، اور اس کے بعد عشا کی نماز پڑھتے ہیں، کیا ان کی نماز بغیر اذان کے ہوئی یا اذان ہوگئی؟ ان کا یہ فعل کیسا ہے اور دوسروں کو کیا کرنا چاہیے، وہ لوگ دوسری مسجدوں کا حوالہ دیتے ہیں، دوسری مسجد ہمارے لیے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب

جس اذان کا ایک جملہ بھی وقت سے پہلے کہا گیا ہو، وہ اذان کالعدم ہے، وقت ہونے کے بعد دوبارہ اذان دینا چاہیے، ورنہ نماز بغیر اذان کے ہوگی اور جو نماز اذان کے بغیر ہو وہ خلاف سنت ہوئی۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۰۸)

---

(۱) كذا في المبسوط للسرخسي،باب الأذان: ۱/۱۳٤. انيس

(۲) عن نافع عن مؤذن لعمر يقال له مسروح أذن قبل الصبح فأمره عمر رضی اللّٰه عنه أن يعيد. (مصنف ابن أبی شيبة،يؤذن بليل أيعيد الأذان أم لا (ح:۲۳۰۸)/سنن أبی داؤد،باب الأذان للأعمٰی (ح:۵۳۳)/سنن الدار قطنی، باب ذكر الإقامة و اختلاف الروايات فيها (ح: ۹۵۵)/السنن الكبریٰ للبيهقی،باب رواية من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ۱۸۰۱)انيس)

وفي الهندية:تقديم الأذان علی الوقت فی غير الصبح لايجوز اتفاقاً و كذا فی الصبح عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی وإن قدم يعاد فی الوقت هكذا فی شرح مجمع البحرين لابن ملک وعليه الفتویٰ هكذا فی التاتارخانية:ناقلاً عن الحجة. (الفتاویٰ الهندية،باب الأذان: ۱/۵۳)

(۳) حتی لو أذّن قبل دخول الوقت لا يجزيه ويعيده إذا دخل الوقت فی الصلوات كلها فی قول أبی حنيفة ومحمد. (بدائع الصنائع،فصل بيان وقت الأذان و الإقامة: ۱/۱۵٤)

==

وقت سے پہلے اذان دینے کا وبال کس پر ہے:

سوال: زید ایک مسجد میں مؤذن کے فرائض انجام دے رہا ہے، مؤذن اپنے وقت پر اذان دیتا ہے، لیکن ''کمیٹی'' والوں کا اصرار ہے کہ اذان اس وقت دو جس وقت ہم کہہ رہے ہیں۔ کمیٹی والوں کا بتایا ہوا وقت دخول وقت اذان سے پہلے ہے۔ مثال کے طور پر آج کل عصر کا وقت فقہ حنفی کے مطابق چار بج کر تیرہ منٹ پر داخل ہو رہا ہے، لیکن کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ سوا چار کے بجائے چار بجے اذان دو، اور عشا کا وقت سات بج کر دس منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ اذان سات بجے دو، اور اسی طرح فجر کا وقت پانچ بج کر اکیاون منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والے کہتے ہیں کہ ساڑھے پانچ بجے اذان دو، یہ مسئلہ جب امام صاحب کے پاس پہنچا، تو انہوں نے بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح کمیٹی والے کہتے ہیں، اسی طرح کرو، اب اس صورت میں یہ مسائل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا قبل از وقت اذان دینا صحیح ہے؟ یا اس کا اعادہ ضروری ہے؟

(۲) کمیٹی والوں کا اس طرح بے جا اصرار کرنا صحیح ہے؟

(۳) اس صورت میں مؤذن نے اگر اذان دی، تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ کمیٹی والوں پر یا پیش امام پر؟

(۴) امام کا کمیٹی والوں کی تائید کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ حق چھپانے کے زمرے میں نہیں آئے گا؟

الجواب

(۱) وقت سے پہلے اذان دینا صحیح نہیں، کیوں کہ اذان نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے دی جاتی ہے اور وقت سے پہلے نماز ہوتی نہیں، لہٰذا قبل از وقت اذان کہنا غلط اور موجب تلبیس ہے، اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو جائے، تو وقت شروع ہونے کے بعد دوبارہ اذان کہی جائے، ورنہ یہ نماز ''اذان کے بغیر'' شمار ہوگی۔(۱)

== أيضاً: شرح مختصر الطحاوي: ١/٥٥٨، طبع دار السراج، بيروت)

قال: (وإن صلى أهل المصر بجماعة بغير أذان وإقامة فقد أساء وا) لترك سنة مشهورة وجازت صلاتهم لأداء أركانها والأذان والإقامة سنة ولكنهما من أعلام الدين فتركهما ضلالة هكذا قال مكحول: السنة سنتان سنة أخذها هدى وتركها لا بأس به، وسنة أخذها هدى وتركها ضلالة كالأذان والإقامة وصلاة العيدين. (مبسوط السرخسي، أذان المرأة: ١/١٣٣. انيس)

(١) ولا يؤذّن لصلاة قبل دخول وقتها، فإن فعل أعاد في الوقت، لأن الأذان للإعلام وهو قبل دخول الوقت تجهيل ... الخ. (الجوهرة النيرة: ١/٤٤)

أيضًا: قال أبو جعفر: ولا يؤذّن لشئ من الصلوات إلاّ بعد دخول وقتها في قول أبي حنيفة ومحمد... الحجة لأبي حنيفة ... ==

(۲) چونکہ قصداً وقت سے پہلے اذان کہنا، دینی امانت کے خلاف ہے،(۱) اور اس سے لوگوں کی نماز کے غارت ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے مسجد کی انتظامیہ کا قبل از وقت اذان پر اصرار غلط ہے، گناہ ہے۔

(۳) اس کا وبال مؤذن پر بھی ہوگا، امام پر بھی اور مسجد کی انتظامیہ پر بھی۔ اگر یہ لوگ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کریں تو امام، امامت کا اہل نہیں اور انتظامیہ مسجد کے معاملات کا انتظام کرنے کی اہل نہیں۔

(۴) اوپر آچکا ہے کہ امام کا انتظامیہ کے ایسے فیصلے کی تائید کرنا جو شرعاً غلط ہے، امام کی نااہلی کی دلیل ہے، امام کو ایسے غلط فیصلے کی تائید ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۰۵-۳۰۶)

اذان کے اوقات میں تلفیق بین المذاہب جائز نہیں:

سوال: ایک مسجد میں عصر کی اذان صاحبین کے قول کے مطابق اور نماز امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

== عن ابن عمر أنّ بلالاً رضي اللّٰه عنه أذّن قبل طلوع الفجر فأمره النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن يرجع فينادي:" ألا إن العبد نام". (شرح مختصر الطحاوي: ۱/ ۵۵۸-۵۵۹، باب الأذان)

ولا يؤذن لصلاة قبل دخول الوقت ويعاد فيه. (تحفة الملوك، فصل في الأذان، الأذان قبل دخول الوقت: ۱/ ۵۰)

عن أبي موسىٰ قال: كان الحسن إذا ذكر عنده هؤلاء الذين يؤذنون بليل فقال: يقال: عُلُوجٌ فُرَّاغٌ لايصلون الإقامة لو أدركهم عمر بن الخطاب لأوجعهم ضرباً أو لأوجع رؤوسهم. (مصنف ابن أبي شيبة، يؤذن بليل أيعيد الأذان أم لا (ح: ۲۳۰۹) انيس)

(۱) لأن المؤذن مؤتمن قال صلى اللّٰه عليه وسلم: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين، وفي الأذان قبل الوقت إظهار الخيانة فيما ائتمن فيه. (المبسوط للسرخسي، باب الأذان: ۱/ ۱۳٤)

ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الوقت كذب وكذا هو من باب الخيانة في الأمانة والمؤذن مؤتمن على لسان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولهذا لم يجز في سائر الصلوات. (بدائع الصنائع، فصل بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/ ۱۵٤)

قوله: (والمؤذن مؤتمن) يعني: أمين على صلاتهم وصيامهم، لأنهم يعتمدون عليه في دخول الأوقات وخروجها وأيضاً هو يطلع على حرم المسلمين لارتقاءه على المواضع المرتفعة وعن هذا قالوا: يكره أذان الجاهل مواقيت الصلاة وأذان الفاسق. (شرح أبي داؤد للعيني، باب مايجب على المؤذن من تعاهد الوقت: ۲/ ٤٦۸)

وأما أمانة المؤذنين فقيل: لأنهم أمناء على مواقيت الصلاة. (قوت المغتذي على جامع الترمذي، أبواب الصلاة: ۱/ ۱۲٤) انيس)

(۲) ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. (سورة المائدة: ۲)

فيعم النهي كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصي ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام. (روح المعاني للآلوسي، تفسير سورة المائدة: ۳/ ۲۳۰. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً و مسلماً

کسی عمل واحد میں دواماموں کے مذہب پرعمل کوفقہا کی زبان میں تلفیق (۱) کہتے ہیں اورتلفیق منع وناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حنیف غفرلہ، ۱۴۰۹/۱۲/۱۶ھ۔ الجواب صحیح: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۱۷)

اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے:

سوال: جس مؤذن کا سانس اتنا کم ہو کہ وہ جب اذان دے تو سانس ختم ہونے کی وجہ سے کلمہ کا آخری حرف ختم ہو جاتا ہے اور دانت ٹوٹنے کی وجہ سے سامعین کو ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف معلوم ہوتا ہو تو کیا ایسے شخص کی اذان ہو جاتی ہے؟ اور ایسے شخص کا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر وہ اذان دینے کے لئے ملازم ہے تو صحیح حرف ادا کرے، کوئی حرف کم نہ کرے ورنہ دوسرا شخص جو اہل ہو وہ اذان دیا کرے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۶/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۶/ ۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۱۶) ☆

---

(۱) التلفیق بین المذاهب:

المراد بالتلفیق بین المذاهب أخذ صحة الفعل من مذهبین معاًبعد الحکم ببطلانه علی کل واحد منهما بمفرده ومثاله: متوضیء لمس امرأة أجنبیة بلاحائل وخرج منه نجاسة کدم من غیر السبیلین فإن هذا الوضوء باطل باللمس عند الشافعیة وباطل بخروج الدم من غیر السبیلین عندالحنفیة ولاینقض بخروج تلک النجاسة من غیر السبیلین عند الشافعیة ولاینقض أیضاًباللمس عند الحنفیة فإذا صلی بهذا الوضوء فإن صحة صلاته ملفقة من المذهبین معاً.(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،التلفیق بین المذاهب: ۱۳/ ۲۹٤)انیس)

وأن الحکم الملفق باطل بالإجماع وأن الرجوع عن التقلید بعدالعمل باطل اتفاقاً وهو المختار فی المذهب وأن الخلاف خاص بالقاضی المجتهدوأما المقلد فلا ینفذ قضاؤه بخلاف مذهبه أصلاًکما فی القنیة.(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ،مقدمة: ۱/ ۷۵)

(قوله:وأن الحکم الملفق)المراد بالحکم الحکم الوضعی کالصحة ومثاله:متوضیء سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیة.(رد المحتار، مقدمة، مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه : ۱/ ۷۵.انیس)

(۲) ”قال رحمه اللّٰه تعالیٰ:بلا ترجیع ولحن“.(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق) ==

درمیان اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ:

سوال: لاؤڈ اسپیکر کی مشین بالکل ایک کمرہ میں رکھی ہوئی ہے، اسی میں کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی ہے، کبھی کبھی درمیان اذان لائٹ غائب ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر بقیہ اذان پوری کی جائے یا کمرہ میں، اور پھر کمرہ سے باہر آکر اذان کا اعادہ کیا جائے؟ ازروئے شرع فرمائیں؟

== قال الشيخ الشلبي:"(قوله لحن)قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله(بلا ترجيع ولحن):يقال:لحن في القراء ة طرب وترنم مأخوذ من إلحان الأغاني،فلا ينقص شيئاً من حروف ولايزيد في أثنائه حرفاً وكذا لايزيد ولا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلک لتحسين الصوت،فأما مجرد تحسين الصوت بلا تغيير،فإنه حسن آه".(تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي،كتاب الصلاة،باب الأذان:١/١٤٢،دارالكتب العلمية بيروت)

"ومنها:أي من صفات المؤذن:أن يكون عالماً بالسنة لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"يؤمكم أقرأكم،ويؤذن لكم خياركم،وخيارالناس العلماء".ولأن مراعاة سنن الأذان لايأتي إلا من العالم بها"(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة، فصل فيما يرجع إلىٰ صفات المؤذن:١/٦٤٦،دارالكتب العلمية،بيروت)

☆ مؤذن کا دوران اذان واقامت بات چیت کرنا:

مسئلہ: مؤذن کے لئے اذان واقامت کے دوران بات چیت کرنا مکروہ ہے، اگر ایک دو بات کرلی تو اذان واقامت درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر زیادہ بات چیت کی تو اذان کا لوٹانا مستحب ہے، البتہ اقامت کو نہیں لوٹایا جائے گا، کیونکہ اقامت دوبارہ کہنا ثابت نہیں ہے۔

(الحجة علىٰ ما قلنا:ما في المبسوط للسرخسي:قال:(ولايتكلم المؤذن في أذانه وإقامته)لأنه ذكرمعظم كالخطبة فيكره التكلم في خلاله لما فيه من ترک الحرمة.(١/٢٧٨،باب الأذان)

ما في"التنويرمع الدروالرد":ولايتكلم فيهما أصلاً ولورد السلام،فإن تكلم استأنفه.(التنويرمع الدرالمختار)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ:قوله:(استأنفه)إلا إذا كان الكلام يسيرًا.(٢/٥٦،باب الأذان،مطلب في أول من بنىٰ المنائرللأذان)

ما في حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح:ويكره الكلام في خلال الأذان ولوبرد السلام ويكره الكلام في إقامته لتفويت سنة الموالاة،ويستحب إعادته أي الأذان بالكلام)فيه،لأن تكراره مشروع كما في الجمعة دون الإقامة .(قوله بالكلام فيه)أي مطلقاً،وقيل:لايعاد مطلقاً،ثالثها يعاد بالكلام الكثيردون اليسير.وهوالأشبه كما في البحرعن الخلاصة:والكلمة والكلمتان يسيركما في القهستاني.(ص:٢٠٠،باب الأذان)

ما في الفتاوىٰ الهندية:ولاينبغي للمؤذن أن يتكلم في الأذان أوفي الإقامة أويمشي فإن تكلم بكلام يسيرلايلزمه الاستقبال.(١/٥٥،الباب الثاني في الأذان،قبيل الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ،كذا في فتاوىٰ قاضيخان:١/٣٨،مسائل الأذان،البحرالرائق:١/٤٤٩،باب الأذان،الفتاوىٰ التاتارخانية:١/٣٢٩،الأذان،نوع آخر في المتفرقات من هذا الفصل،خلاصة الفتاوىٰ:١/٥٠،كتاب الصلاة،الفصل الأول في الأذان،قبيل من سمع الأذان)

ما في الهدية العلائية لتلميذ المكاتب الابتدائية:ولايتكلم فيها أصلاً ولورد سلام،ولا يتنحنح إلا لتحسين صوته، فإن تكلم استأنفه،إلا إذا كان الكلام يسيرًا.(ص:٧٠،باب الأذان،كيفية الأذان)(اہم مسائل:۵/۷۲)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر پوری اذان مستقل کہی جائے تا کہ سب لوگ اس کو پورے طور پر سن لیں اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۱۲/٦/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۴۸-۴۴۹)

بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان:

سوال: مسجد میں اذان مائک سے شروع ہوتے ہی بجلی چلی گئی، مگر مؤذن نے اذان بلا مائک ہی پڑھ دی، ایک صاحب نے کہا کہ محلّہ کی عورتیں اذانِ مسجد کی انتظار میں ہونگی، لہٰذا اذان دوبارہ مسجد کے باہر پڑھ دی جائے، کیونکہ پہلی اذان حجرہ میں ہوئی ہے، مسجد کے دروازہ تک نہیں پہنچی ہے، کچھ لوگوں نے دوسری اذان کو منع کیا۔اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدً و مصلیاً

اگر اس اذان کی خبر سب کو ہوگئی اور بجلی کے بھاگ جانے سے پوری اذان کی آواز نہیں پہونچ سکی تو یہ بھی کافی ہے، دوسری اذان کی ضرورت نہیں، تاہم اگر دوسری اذان بھی پڑھ دی جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۴۹)

☆☆☆

(۱) "لأن تكراره مشروع كما في أذان الجمعة ؛لأنه إعلام الغائبين،فتكريره مفيد لاحتمال عدم سماع البعض"(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٤٥٨،رشيدية)

ولأن ما يخفض به صوته لايحصل به فائدة الأذان،وهو إعلام فلا يعتبر".(حاشية الشيخ الشلبي على التبيين،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٩٠،إمدادية)

"لأن المقصود منه الإعلام،ولا يحصل بالإخفاء،فصار كسائر كلماته". (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٤٤٥،رشيدية)

"إذا حضر المؤذن في خلال الأذان...وعجزعن الإتمام يستقبل غيره".(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة، الفصل الأول في صفة الأذان: ١/٥٥،رشيدية)

(۲) "ويجب استقبالهما لموت مؤذن وغشيه وخرسه وحصره".(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٣٩٣،سعيد)

ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل

اذان میں ترجیع کی بحث:

سوال(۱) اذان میں جو بعض آدمی شہادتین دو دفعہ ہلکی آواز سے کہہ کر پھر دو دفعہ بلند آواز سے کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت بلال کی اذان:

(۲) اذان حضرتِ بلال کی کونسی ہے؟

الجواب

(۱) یہ ترجیع ہے جو حنفیہ کے نزدیک اذان میں سنت نہیں ہے۔ یہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تعلیم شہادتین کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا اور حضرت بلال کی اذان اور ملک نازل من السماء کی اذان میں ترجیع نہ تھی، اس پر حنفیہ کا عمل ہے۔(۱)

(۲) حضرت بلال کی اذان ایسے ہی تھی جیسے اب کہی جاتی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۹۴)

(۱) ترجیع کے لغوی معنیٰ لوٹانے کے آتے ہیں، یعنی شہادتین کو پہلے آہستہ کہنا، دوبارہ اسے بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے۔ انیس
ولاترجيع فإنه مكروه،ملتقىٰ.(الدر المختار)

الترجيع: أن يخفض صوته بالشهادتين ثم يرجع فيرفعه بهما لاتفاق الروايات علىٰ أن بلالا لم يكن يرجّع،وما قيل إنه رجّع لم يصح ولأنه ليس في أذان الملك النازل بجميع طرقه،الخ.(ردالمحتار،باب الأذان: ۱/۳۵۹،ظفير)

(۲) یعنی اس میں ترجیع نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ہے:

عن محمدبن عبدالله بن زيدبن عبدربه قال:حدثني أبي عبد الله بن زيدرضي الله عنه قال:لما أمررسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلوٰة،طاف بي وأنا نائم رجل يحمل ناقوسًا في يده، فقلت:يا عبد الله ! أتبيع الناقوس؟ قال:ما تصنع به ؟فقلت:ندعوبه إلى الصلوٰة،قال:أفلا أدلك علىٰ ما هوخيرمن ذلك؟ فقلت له بلىٰ،قال:فقال تقول:الله أكبر،الله أكبر،الله أكبر،ألله أكبر،أشهد أن لا إلٰه إلا الله،أشهد أن لا إلٰه إلا الله،أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله،حي على الصلاة،حي على الصلاة،حي على الفلاح،حي على الفلاح،الله أكبر،الله أكبر،لا إلٰه إلا الله.(سنن أبي داؤد،باب كيف الأذان (ح: ۴۹۹)/سنن ابن ماجة ، باب بدء الأذان (ح:۷۰۶)/سنن الدارمي،باب في بدء الأذان (ح:۱۲۲۵)/المنتقى لابن الجارود،ماجاء في الأذان(ح:۱۵۸)انيس)

اذان بلاترجیع افضل ہے:

سوال: اذان ترجیع کے ساتھ کہنا افضل ہے یا بلاترجیع؟

الجواب

عندالحنفیہ اذان میں ترجیع نہیں ہے، بلکہ درمختار میں فرمایا ہے کہ ترجیع مکروہ ہے۔

"(ولا ترجيع) فإنه مكروه،ملتقى". (الدر المختار)

شامی نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

اور یہ بھی شامی میں ہے:

"**لاتفاق الروايات علىٰ أن بلالاً لم يكن يرجّع وماقيل: إنه رجّع لم يصحّ ولأنه ليس في أذان الملک النازل من السماء بجميع طرقه،الخ.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۲۴)

جمعہ اور عشا میں تثویب:

سوال: بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اول نماز جمعہ کے واسطے اذان، اس کے بعد دو مرتبہ بآواز بلند "الصلاۃ" کہہ کر پکارتے ہیں، پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے اور رمضان شریف میں بعد اذان عشا ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر اطلاق بدعت کا کیا گیا ہے اور بعض فقہا نے اس کو جائز فرمایا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ خاص قاضی ومفتی وغیرہ کیلئے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خاں نے اختیار کیا ہے۔ پس احوط ترک ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۰-۹۱)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في الكلام على حديث "الأذان جزم": ۱/۳۵۹۔

(الأذان سنة) ... (لخمس) ... (والجمعة) ... (بغير ترجيع) وهو أن يأتي بالشهادتين مخافتة ثم يأتي بهما مجاهرة لأنه لم ينقل في حديث عبدالله بن زيد،وقال الشافعي: لابد من الترجيع. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک،فصل في الأذان: ۱/۹۳)

عن ابن عمر قال: إنما كان الأذان في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين مرتين والإقامة مرة مرة. (سنن أبي داؤد،باب في الإقامة (ح: ۵۱۰)/السنن الكبرىٰ للنسائي،كيف الإقامة (ح: ۱٦٤٤)/الكنىٰ والأسماء للدولابي،من كنيته أبو المثنىٰ مسلم (ح: ۱۷۲۵)/الصحيح لابن خزيمة،باب ذكر الخبر المفسر للفظة المجملة (ح: ۳۷٤)/الصحيح لابن حبان،ذكر وصف الإقامة التي كان يقام بها الصلاة (ح: ۱٦۷٤) انيس)

==

سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب مستحسن ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب کے متعلق کافی اختلاف موجود ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں، صحیح اور فیصلہ شدہ قول کون سا معتبر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(المستفتی: بسم اللہ شاہ، متعلم دارالعلوم حقانیہ......۱۵/دسمبر۱۹۸۳ء)

الجواب

فقہاء کرام نے سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔(۱) اس کا ماخذ موجود ہے اور نظیر بھی موجود ہے۔(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۹۳-۱۹۴)

== تثویب کو فقہاء متقدمین نے مکروہ کہا ہے اور بعد کے فقہا نے لوگوں کی غفلت اور نماز میں تساہل کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، مفتی عزیزالرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے اسی بنا پر قول متقدمین پر فتویٰ دیا ہے، جبکہ دیگر مفتیان نے اس کی اجازت دی ہے، جیسا کہ آگے فتاویٰ آرہے ہیں۔ انیس

(۲) وقال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه في غير الفجر لما روى الترمذي وابن ماجة من حديث ابن أبي ليلىٰ عن بلال رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا أثوب في شيء من الصلوٰة إلا في الفجر، قال أصحابنا: هو أن يقول بين الأذان والإقامة: حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح، مرتين، وقال غيرهم: هو أن يقول في أذان الفجر: "الصلوٰة خير من النوم" مرتين. ولما روي أن علياً رضي الله عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء قال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد، وكذا كرهه مالك والشافعي مطلقاً. (شرح النقاية: ۱/۶۲)(كذا في مبسوط السرخسي، باب الأذان: ۱/۱۳۰)

عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فسمع رجلاً يثوب في المسجد فقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع. (مصنف عبدالرزاق، باب التثويب في الأذان والإقامة (ح: ۱۸۳۲) انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (قوله في الكل) أي كل صلوات لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل هو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق: ۱/۲۸۶)/كذا في العناية شرح الهداية، باب الأذان: ۱/۲۴۶)

والحديث بتمامه: عن عبدالله قال: إن الله عزوجل نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد صلى الله عليه وسلم فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراءه يقاتلون على دينه فما رأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما رأى المسلمون سيّئاً فهو عند الله سيّء، وقد رأى أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جميعا أن يستخلفوا أبابكر. (فضائل الصحابة للإمام أحمد، ومن فضائل عمر بن الخطاب من حديث أبي بكر (ح: ۵۴۱)/مسند الإمام أحمد، من مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۳۶۰۰)/مسند أبي داؤد الطيالسي، ما أسند عبدالله بن مسعود (ح: ۲۴۳)/ مسند البزار، زر بن حبيش عن عبدالله (ح: ۱۸۱۶)/الشريعة للآجري، باب ذكر فضل جميع الصحابة (ح: ۱۱۴۴) انيس)

(۲) وفي منهاج السنن: وهذا التثويب وإن لم يعهد في الصدر الأول، لكن له أصلاً في الشرع ووجهًا وجيهًا في الأصول. ==

تثویب کی عادت مکروہ ہے:

سوال: مؤذن اذان پڑھ چکا اور کچھ نمازی مسجد میں ہیں اور کچھ مسجد سے باہر کھڑے ہیں اگر امام ان کو نماز کے لئے بلاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

جو لوگ احاطہ مسجد سے باہر ہیں، ان کے بلانے کے لئے اذان کافی ہے اور جو احاطہ مسجد کے اندر ہیں، خواہ متفرق ہوں، کوئی صحن میں، کوئی اندر، ان کو بلانے کے لئے اقامت کافی ہے۔ ان کے علاوہ علاحدہ بلانے کی کوئی ضرورت نہیں، اذان واقامت کی غرض تو بلانا ہی ہے۔ اس لئے پیش امام کے ذمہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بلاتا پھرے۔ البتہ اگر بلا لے تو گناہ بھی لازم نہیں آتا۔ جس کسی نے ایسا کہا غلط ہے، لیکن اس کو بلانے کی عادت ڈالنے کو علما نے مکروہ کہا ہے۔

وكره التثويب وهو إعلام بعد الإعلام. (١)(فتاویٰ دار العلوم دیوبند مسمیٰ امداد المفتین :٢٦٩/٢)

تثویب کی عادت ڈال لینا مکروہ ہے:

سوال: اذان دینے کے بعد جماعت کی نماز کے لئے "**اللّٰه أكبر**" کے الفاظ کے ساتھ یا "**صلاة وسلام**" کے ساتھ، نمازیوں کو یا امام صاحب مثلاً مسجد میں نہیں ہیں، حجرے میں ہیں، ان کو بلانا ـــــــ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں اور کس طرح بلانا چاہئے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

== روى أبوداؤد عن أبي بكرة رضي الله عنه قال: خرجت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه بالرجل، وفيه تعاون على البر وتكثير للجماعة ونظيره في ترك ماعهد في عصره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منع النساء عن المساجد. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب التثويب في الفجر: ٧٦/٢)(سنن أبي داؤد، باب الاضطجاع بعدها (ح: ١٢٦٤)/السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب ماورد في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (ح: ٤٨٩٤)/شرح السنة للبغوي، باب الضجعة بعد ركعتي الفجر (٤٦١/٢)

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ركعتي الفجر فإن كنت مستيقظة حدثني وإلا اضطجع حتى يقوم إلى الصلاة. (مسند الحميدي، أحاديث عائشة أم المؤمنين (ح: ١٧٥)/الصحيح للبخاري، باب ما تحدث بعد الركعتين ولم يضطجع (ح: ١١٦٧)/الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل (ح: ٧٤٣)/مستخرج أبي عوانة، باب إباحة الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (ح: ٢١٦٠)/شرح السنة للبغوي، باب الضجعة بعد ركعتي الفجر (٤٦١/٢) انیس)

(١) تفصیل کے لیے دیکھئے! بدائع الصنائع، فصل في كيفية الأذان: ١٤٨/٢/البناية شرح الهداية، التثويب في أذان الفجر: ١٠٠/٢./مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، صفة الأذان: ٧٧/١/البحر الرائق شرح كنز الدقائق، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ٢٧٥/١. انیس

الجواب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نماز کی اطلاع کے لئے اذان واقامت ہی کو کافی سمجھا جاتا تھا،ان کے درمیان مزید کوئی عام اطلاع نہیں دی جاتی تھی،غائبین کے لئے اذان کافی ہے اور حاضرین کے لئے جماعت کی اطلاع دینے کو اقامت کافی ہے،اذان اور اقامت کے درمیان اطلاع دینے کی عادت ڈال لینے کو علما نے مکروہ کہا ہے۔(١)(امداد المفتین:١/٢٣٦)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،مفتی خیر المدارس،ملتان۔

الجواب صحیح:بندہ عبدالستار رئیس الافتاء۔١٨/٥/١٤٠٢ھ۔(خیر الفتاویٰ:٢/٢٢٦)

تثویب جائز ہے اور اذان میں داخل سمجھنا بدعت ہے:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب جائز ہے یا بدعت ہے؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی:گل فروز خان وزیر)

الجواب

تثویب جائز ہے،اس میں تعاون علی البر موجود ہے۔(٢)البتہ اذان میں داخل کرنا بدعت ہے۔(٣)

یدل علیه ما فی شرح التنویر: (ویثوب)بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوه.(هامش ردالمحتار:١/٣٦١-٣٦٢)(٤)**وهو الموفق**(فتاویٰ فریدیہ:٢/١٩١)

(١)　(والتثویب فی الفجر"حی علی الصلاة حی علی الفلاح مرتین بعدالأذان والإقامة حسن)لأنه وقت نوم وغفلة (وکره فی سائر الصلوات)ومعناه العود إلی الإعلام بعد الإعلام وهو علی حسب ماتعارفوه وهذا التثویب أحدثه علماء الکوفة بعد عهد الصحابة لتغیر أحوال الناس وخصوا الفجربه) فکرهوافی غیره.(فتح القدیرمع الهدایة،باب الأذان:١/٢٤٥.انیس)

(٢)　وفی منهاج السنن:وجوزه المتأخرون فی الکل للکل بما تعارفوه واستثنوا من الصلوات صلاة المغرب لعدم إفادة التثویب فیها کما فی النهایة وغیرها وهذا التثویب وإن لم یعهد فی الصدر الأول لکن له أصلاً فی الشرع ووجها وجیهاً فی الأصول.

روی أبوداؤد عن أبی بکرة قال:خرجت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لصلاة الصبح فکان لا یمر برجل إلا ناداه بالصلاة أوحرکه بالرجل،وفیه تعاون علی البروتکثیر للجماعة ونظیره فی ترک ما عهد فی عصره صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم منع النساء عن المساجد.(منهاج السنن شرح جامع السنن،باب ماجاء فی التثویب فی الفجر:٢/٧٥)

(٣)　عن مجاهد قال:کنت مع ابن عمرفثوب رجل فی الظهرأوالعصر،قال: أخرج بنا فإن هذه بدعة.(سنن أبی داؤد،باب فی التثویب (ح:٥٣٨)انیس)

(٤)　الدرالمختارعلٰی صدرردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،قبیل مطلب فی أذان الجوق:١/٣٨٩.

تثویب مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی صاحب، مفتی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام عرض یہ ہے کہ ہمارا شیخ صاحب اذان کے بعد آواز دیتا ہے کہ ''ایمان والو نماز کے لئے آؤ'' صرف یہی الفاظ بولتا ہے، دوسری طرف ایک مولانا صاحب اور اس کا شیخ صاحب یہ حکم دیتا ہے کہ جس مسجد میں یہ آواز ہو جائے تو اس میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو اس آواز کے جواز اور عدم جواز، نیز اس مسجد میں نماز کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ واضح فرمائیں تو عین نوازش ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید سلیمان شاہ بہلولہ پایاں چارسدہ)

الجواب

یہ تثویب ہے اور مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے۔

لما فی الدر المختار فی باب الأذان: (ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ.

قال العلامة الشامی (۱/۱٦٢): کتنحنح أو قامت قامت أو الصلاة الصلاة ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز، نهر عن المجتبیٰ. (١)

اور یہ قول کہ اس مسجد میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قائل یا جاہل ہے یا متجاہل ہے۔ وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۲/۲-۱۹۳)

اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے معنیٰ:

سوال: اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب

اذان میں تثویب مسنون تو یہ ہے کہ اذان فجر میں ''الصلاة خیر من النوم'' اضافہ کیا جائے، (٢) اور تثویب

(١) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۸۹۔

(٢) عن حماد عن إبراهیم قال: سألته عن التثویب قال: هو مما أحدثه الناس وهو حسن مما أحدثوا وذكر أن تثویبهم كان حین یفرغ المؤذن من أذانه الصلاة خیر من النوم، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. (کتاب الآثار للإمام محمد، باب الأذان (ح: ٦٠)

عن سعید بن المسیب عن بلال أنه أتى النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر فقیل: هو نائم، فقال: ''الصلاة خیر من النوم'' فأقرت فی تأذین الفجر، فثبت الأمر علی ذلک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ٧١٦)، وکذا فی سنن الدارمی، التثویب فی أذان الفجر (ح: ١٢٢٨) عن سعد القرظ. انیس)

مبتدع ایک تو اذان میں ہے کہ "حـيّ عـلـٰی خيـر العمل" اضافہ کیا جائے جیسا روافض کرتے ہیں،(۱) اور ایک مابین الاذان والاقامۃ ہے کہ مؤذن تھوڑی دیر میں۔۔۔"الصلاة جامعة" یا "الـصلاة الصلاة رحمكم اللّٰه" پکارتا ہے، یہ دونوں بدعت ومکروہ ہیں،(۲) والأول أشد ابتداعاً وكراهةً. (امدادالاحکام:۲/۴۷)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر وصبح صادق:

سوال: سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، کیا اس پر قرونِ ثلاثہ میں عملدرآمد رہا۔ ہمارے فقہا اسے مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے یہاں مکروہ ہے؟

الجواب

قـال مـالک فـی الـموطأ، آخر ما جاء فی النداء للصلاة مانصه: لم تزل الصبح ينادیٰ لها قبل الفجر فأما غيرها من الصلوات فإنا لم نرها ينادی لها إلا بعد أن يحل وقتها. (۳)

وفـی الجزء الثانی من عمدة القاری، باب أذان الأعمٰی فی بيان أذان ابن أم مكتوم وبلال فی وقت الصبح تحت "قوله أصبحت" قال عياض ... :ولأنه العمل المنقول فی سائر الحول بالمدينة، آه. (۴)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول بہ تھا۔ آگے یہ دوسری بحث ہے کہ اس پر اکتفا کیا جاوے (۵) یا نہیں؟ اس میں اختلاف مشہور ہے لیکن یہ اختلاف نفس عمل کی نقل میں مخل وقادح نہیں

قـال مـحـمد فی الموطأ، باب مايحرم الطعام علی الصائم تحت حديث" إن بلالا ينادی بليل فـكـلـوا واشـربـوا حتی ينا دی ابن أم مكتوم". وبطريق اٰخر: "وكان ابن أم مكتوم: لا ينادی حتیٰ يقال له: "قد أصبحت" ما نصه: كان بلال ينادی بليل فی شهر رمضان لسحور الناس". (٦)

(۱) فی شرح المهذب للشافعية: يكـره أن يقال فی الأذان: "حی علیٰ خير العمل"؛ لأنه لم يثبت عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه و سلم والزيادة فی الأذان مكروهة، آه، وقد سمعناه الأن عن الزيدية ببعض البلاد. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ۱/۲۷٥)

هـم زادوا فـی الأذان شـعـارًا لـم يـكـن يـعـرف عـلـٰی عهد النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم وهو "حی علیٰ خير العمل". (منهاج السنة النبوية، الرد علی الرافضی أن عثمان زاد الأذان: ٦/۲۹۳-۲۹٤. انيس)

(۲) ... وعند المتقدمين هو مكروه فی غير الفجر وهو قول الجمهور، الخ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ۱/۲۷٥)

(۳) موطأ الإمام مالک، باب ماجاء فی النداء للصلوٰة (ت: الأعظمی): ۲/۹۸. انيس

(۴) عمدة القاری شرح صحيح البخاری، باب الأذان بعد الفجر: ٥/۱۳۱. انيس

(۵) یعنی سحری والی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی ہے یا اس کے لئے صبح صادق ہونے کے بعد دوسری اذان کہنا ضروری ہے۔ سعید

(٦) موطأ الإمام محمد، باب متی يحرم الطعام علی الصائم: ۱/۱۲۲. انيس

وفی عمدة القاری، باب الأذان قبل الفجر تحت قوله: وطأطأ، مانصه: فیه أن الأذان الذی کان یؤذن به بلال کان لرجع القائم وإیقاظ النائم وبه قال أبو حنیفة.(۱)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے، چنانچہ امام محمد کا کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا ''به قال أبو حنیفة'' کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہا کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں، لیکن فقہا کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں مخیّر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ۔(۲) واللہ اعلم

۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ۔ (النور، صفحہ: ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۵٦ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۸۹-۱۹۰)

اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا اعلان:

سوال: اگر فجر کی اذان سے پانچ منٹ پہلے آدمیوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی نیت سے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر ''صلاة'' کہا جائے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب ——————— حامدًا ومصلیاً

اذان تو اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہے، قبل اذان مستقلاً لاؤڈ اسپیکر پر ''الصلاة'' کی پابندی کرنے سے نفسِ اذان کا خاص فائدہ نہیں رہے گا اور لوگ اس کو اذان کی طرح مستقل شرعی حکم سمجھ لیں گے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/٦/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۰)

صبح صادق سے پہلے ''الصلاة الصلاة'' پکارنا:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں سحری میں صبح صادق سے پہلے مؤذن منارہ پر چڑھ کر صلاۃ صلاۃ چلاتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ——————— حامدًا ومصلیاً

یہ چیز ثابت نہیں، اس کو بند کرنا چاہئے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۹۹)

(۱) عمدة القاری شرح البخاری: ۵/۱۳۵. انیس

(۲) یعنی اگر کسی جگہ سحری کے لئے اذان کہی جائے تو پہلے تمام لوگوں کو واقف کردیا جائے کہ فلاں شخص جو اذان دے گا وہ سحری شروع کرنے کی اطلاع کے لئے ہوگی، ورنہ لوگوں کو دھوکہ ہوگا، وہ اس کو صبح کی اذان سمجھ کر سحری بند کردیں گے۔ سعید احمد

(۳) ولاتثویب إلا فی صلاة الفجر لما روی أن علیاً رضی اللّٰه تعالٰی عنه رأی مؤذناً یثوب فی العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷٤، المکتبة الغفاریة، کوئٹه)

(۴) المخرج السابق

اذان فجر کے چند منٹ بعد ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کی صدا لگانا:

سوال: بعض مساجد کے اندرونی حصہ میں اذان کے لئے نصب شدہ مائک پر اذان فجر کے چند ہی منٹ بعد ”الصلاۃ خیر من النوم“ کی صدا لگائی جاتی ہے، کیا اس طرح کہنا درست ہے؟

(محمد حبیب الدین، قاضی باغ)

الجواب

اذان فجر کے کچھ بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ ”الصلاۃ خیر من النوم“ کہنا درست نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایسا کرنا ثابت نہیں، امام مجاہد سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، جس میں اذان ہو چکی تھی، ہم نماز پڑھنا ہی چاہتے تھے کہ مؤذن نے ”الصلاۃ خیر من النوم“ (تثویب) کہی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس بدعت کرنے والے شخص کے پاس سے لے چلو، اور اس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۲-۱۴۳)

اذان فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا:

سوال: فجر کی اذان دینے کے بعد مؤذن یا دوسرا کوئی شخص محلّہ والوں کو نماز کیلئے سارے محلّہ میں گھر گھر پھر کر بیدار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کیوں کر، اور نہیں کر سکتا تو اس کی توضیح فرمائیں؟

(المستفتی نمبر ۲۷۳۶، منشی مسرور علی صاحب، ملازم ہمدرد دواخانہ، دہلی-۲۹/جولائی ۱۹۴۲ء/۱۴/رجب ۱۳۶۱ھ)

الجواب

یہ عمل اول تو تثویب میں داخل نہیں بلکہ اس سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے تثویب بھی ایک امر مستحدث اور مبتدع ہے۔ اذان سے پہلے بہ نیت امر بالمعروف اس امر کی گنجائش ہے۔ اذان کے بعد یہ امر کراہت سے خالی نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

== وأما التثويب المحدث فمحله: صلاة الفجر أيضاً ... ووقته: ما بين الأذان والإقامة“. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى كيفية الأذان: ۱/۱۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

والأصح أنه بعد الأذان؛ لأنه مأخوذ من الرجوع والعود إلى الإعلام، وذلك إنما بعد الفراغ“. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲٤٥، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) الجامع للترمذى: ۱/۵۰، حدیث نمبر: ۱۹۸، باب ماجاء في التثويب في الفجر

(۲) قال فى العناية:” أحدث المتأخرون بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ماتعارفوه، وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس، الخ“. (رد المحتار، باب الأذان: ۱/٥٦، ط سعيد)

الجواب

ازمولانا مفتی مظہر اللہ صاحب:

ہاں اس فعل میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے کہ یہ تثویب کے معنی میں ہے۔

والتثويب حسن عند المتأخرين. (۱)

تبیین میں ہے:

"وتفسيره أن يؤذن للفجر ثم يقعد قدرما يقرأ عشرين آية ثم يثوب ثم يقعد مثل ذلك ثم يقيم". (۲)(هكذا في الفتاوىٰ الهندية: ۵٦/۱)(۳)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام جامع مسجد فتح پوری، دہلی

جواب الجواب

ازحضرت مفتی اعظم:

تثویب کو اگر چہ متاخرین حنفیہ نے مستحسن قرار دیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ امر مستحدث ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں تثویب نہ تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے، وہاں مؤذن نے تثویب کی تو وہ بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور چونکہ نابینا ہو گئے تھے، اس لئے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہم کو لے چلو۔

عن مجاهد قال: دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدًا وقد أذن فيه ونحن نريد أن نصلي فيه فثوب المؤذن فخرج عبد الله بن عمر من المسجد وقال أخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه". (سنن الترمذي: ۲۸/۱)(۴)

نیز متاخرین حنفیہ کا تثویب کو مستحسن فرمانا اور اس کی یہ تعریف کرنا کہ اذان کے بعد تھوڑا وقفہ کر کے مؤذن یہ الفاظ پکار کر کہے: "**الصلاة الصلاة**" یا "**قامت قامت**" وغیرہ تو یہ عمل عام طور پر مساجد حنفیہ میں معمول نہیں ہے، عام عمل اس پر ہے کہ جو جامع صغیر کی روایت سے تثویب کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وفي الجامع الصغير: أنه يكره في سائر الصلوات. (جامع الرموز: ۵۷/۱)(۵)

(۱) كذا في الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، باب شروط صحة الصلاة: ٤٦/۱. انيس

(۲) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الأذان للفائتة: ۹۲/۱. انيس

(۳) الفتاوىٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۵٦/۱، ط ماجدية

(۴) سنن الترمذي، باب ما جاء في التثويب في الفجر: ۵۰/۱، ط ماجدية (ح:۱۹۸)

(۵) جامع الرموز، فصل في الأذان، ۱۲۵/۱، ط: قزان (الجامع الصغير متن النافع الكبير، باب الأذان: ۸۳/۱. انيس)

پھر تثویب جس کو متاخرین حنفیہ مستحسن فرماتے ہیں، وہ صرف مؤذن کا عمل ہے، دوسروں کا نہیں۔

قیّد بکون المثوب هو المؤذن لأنه لاینبغی لأحد أن یقول لمن فوقه فی العلم والجاه "حان وقت الصلاة" سوی المؤذن لأنه استفضال لنفسه. (الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۰۷)(۱)

میں نے پہلے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ محلّہ میں گھر گھر جا کر بیدار کرنا تثویب سے کچھ زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تثویب تو مؤذن کا مسجد میں اذان کے بعد الفاظ معہودہ پکار کر کہنے کا نام ہے اور یہ عمل اس سے آگے بڑھ کر گھروں پر جانے اور کنڈیاں کھٹکھٹا کر لوگوں کو جگانے اور کئی کئی آدمیوں کے مل کر گھومنے پر مشتمل ہے اور یہ امور تثویب معروف عند الفقہاء سے جس کو انہوں نے مستحسن فرمایا ہے، یقیناً زیادہ ہیں۔ صرف مؤذن کی تثویب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارک میں نہیں تھی۔

ولم یکن فی زمنه صلی الله علیه وسلم ولا فی زمن أصحابه، الخ. (الطحطاوی)(۲)

یعنی تثویب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں نہ تھی۔

اور ان زیادہ باتوں کا وجود بھی مستحدث اور مبتدع ہونے کے علاوہ کئی منکرات پر مشتمل یا محتمل ہوسکتا ہے۔ اول یہ کہ جگانے والے اور کنڈیاں بجا بجا کر بیدار کرنے والے؛ بسا اوقات ایسے گھروں کی کنڈیاں بھی کھٹکھٹاویں گے، جن میں کوئی مریض ہو؛ جو درد و تکلیف کی وجہ سے رات بھر نہ سوسکا تھا، اس کی اسی وقت آنکھ لگی تھی، وہ جاگ کر پھر درد و کرب میں مبتلا ہوگیا۔ دوم یہ کہ بعض گھر والے بیباک اور دنیوی حیثیت سے بڑی پوزیشن والے ہوتے ہیں اور جگانے والے بے چارے غریب اور دنیوی حیثیت سے کم درجے کے ہوتے ہیں تو گھر والے بجائے ان کی بات سننے کے ان کو گالیاں دینے لگتے ہیں، یہاں تک بھی صبر کیا جاسکتا تھا مگر وہ بے باکی اور دلیری سے نعوذ باللہ خدا، رسول اور نماز کی شان میں بھی ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں جو کفر تک نوبت پہنچا دیتے ہیں اور چونکہ اسلامی حکومت اور محکمۂ احتساب موجود نہیں، اس لئے اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔ مجھے خوف ہے کہ ایسی صورت میں ان کے کفر کی کسی حد تک ذمہ داری ان جگانے والوں پر بھی نہ آجائے، جنہوں نے تبلیغ وتذکیر میں حکمت وموعظۂ حسنہ کی رعایت میں کوتاہی کی اور اس وجہ سے ایک مسلمان (گو فاسق ہو) کافر ہوگیا۔ سوم یہ کہ یہ جگانے والے اگر مرتاض اور مخلص نہ ہوں تو ان میں اپنے متعلق تکبر اور ترفع اور دوسرے لوگوں کے متعلق نفرت وحقارت کے جذبات بڑی حد تک پیدا ہونے کا یہ عمل قوی ذریعہ بن جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ عمل اختیار نہیں کیا گیا، باوجودیکہ نماز اور جماعت سے رہ جانے والوں کا وجود اس زمانہ میں بھی تھا جو وعید احراق بیوت کی روایت سے واضح ہے۔

(۱) حاشیة الطحطاوی، باب الأذان: ۱۱۷/۱، ط: مصر.

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الأذان: ۱۹۸/۱. انیس

بہرحال اذان کے بعد تو یہ عمل ضرور مکروہ ہے اوراذان سے پہلے بھی ہر دروازے کی بلا تمیز کنڈی بجانا خطرناک اور گلی میں سے درمیانی درجہ کی آواز دیتے ہوئے نکل جانا مباح اور جس شخص پر بھروسا ہو یا جس کی طرف سے اجازت ہو اس کو جگا دینا مستحسن ہے۔

حضرت امام ابو یوسف نے ایسے لوگوں کے لئے جو امور مسلمین یعنی اسلامی ضروریات میں مصروف رہتے ہوں یہ اجازت دی ہے کہ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت قریب ہو اور مؤذن ان کو دوبارہ اطلاع کر دے تو وہ دوسری بات ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی:٣/٥٨-٦٠)

اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے:

سوال: اذان واقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب ''اعلام بعد اعلام'' ہر نماز کے لئے پکارنا'' **الصلاۃ و السلام علیک یارسول اللّٰہ. الصلوٰۃ و السلام علیک یانبی اللّٰہ. الصلاۃ و السلام علیک یا حبیب اللّٰہ**'' جائز ہے یا ناجائز۔لغت اوراصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں،جس مسجد میں یہ تثویب کبھی نہ پکاری گئی ہو اگر وہاں کچھ لوگ اس کو پکاریں اور بغیر پکارے نماز نہ پڑھیں نہ دوسروں کو پڑھنے دیں اوران لوگوں پر جو اس فعل کو نامناسب اور خلاف حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لعن وطعن کریں اوران کو وہابی دیو بندی مردود کافر کہیں اورلڑنے جھگڑنے کو تیار ہو جائیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) حدیث''**لا تثوّبنَّ في شيء من الصلاة إلا في صلاة الفجر**''.(سنن الترمذی: ٢٧)(۲) کی روایت میں جو ایک روای اسرائیلی واقع ہوئے ہیں۔ان کو صاحب ترمذی نے ضعیف کہا ہے تو کیا اس سے روایت قابل عمل رہتی ہے یا نہیں ان کی ثقاہت وعدالت وضبط وغیرہ کے بارے میں کتب اصول سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟

(**المستفتی** نمبر:٢٢٦٨،حافظ عبدالجلیل خان صاحب۔٢٥/ربیع الاول ١٣٥٧ھ/٢٦/مئی ١٩٣٨ء)

الجواب

تثویب اس معنی کے لحاظ سے کہ اس سے مراد اذان اوراقامت کے درمیان میں کچھ الفاظ پکار کر لوگوں کو نماز کے لئے

(۱) قال أبو يوسف: لاأرى بأسًا أن يقول المؤذن للأمير في الصلوات كلها''السلام عليك أيهاالأمير ورحمة اللّٰه وبركاته،حي على الصلاة حي على الفلاح'' واستبعده محمد لاستواء الناس في أمر الجماعة لكن أبويوسف خصهم بذلك لزيادة اشتغالهم بأمور المسلمين كيلا تفوتهم الجماعة، وعلى هذا القاضي والمفتي.(الكبيري شرح منية المصلي،فصل في السنن: ٣٧٦.ط:دارسعادت.انيس)

(۲) سنن الترمذي ،باب ماجاء في التثويب في الفجر: ١/٥٠،ط: سعيد كمپني

بلا نا مدنظر ہو،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان اوراقامت کے درمیان میں ایسی کوئی چیز نہ تھی،نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی،اس کولوگوں نے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایجاد کیااورصحابہ نے اس کاانکار کیا۔(١)

حضرت عبداللہ ابن عمر نماز کے لئے ایک مسجد میں گئے اوروہاں تثویب پکاری گئی تو وہ اس مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلے آئے اورکہا کہ اس مبتدع کے پاس سے مجھے لے چلو۔یہ واقعہ ترمذی:١/٢٨،اورابوداوٴد میں موجود ہے۔(٢)

امام ابو یوسف نے قاضی یا مفتی یاکسی ایسے ہی شخص کے لئے جوخدمت مسلمین میں مشغول رہتاہواس امر کی اجازت دی ہے کہ اس کواقامت سے کچھ قبل اطلاع دیدی جایا کرے تووہ جماعت میں شریک ہوجائے اورخدمت خلق میں نقصان نہ پڑے۔(شامی:١/٣٥٩)(٣)

ان کی اجازت کابھی یہ مطلب نہیں کہ اذان اوراقامت کے درمیان تثویب کی رسم ہی قائم کرلی جائے اورپھر طرفہ یہ کہ اس کوایک واجب کادرجہ دے دیا جائے اورمنکر یا تارک کووہابی،مردود کہہ کرلعن طعن کیاجائے،یہ تویقینی تعدی اورظلم اورانتہائی بدعت ہے۔ترمذی کی روایت ابواسرائیل الملائی کی اگرچہ ضعیف ہے،مگرعبداللہ ابن عمر کی روایت مذکورہ بالا سےاس کی تقویت ہوجاتی ہےاوروہ قابل عمل ہوجاتی ہے۔(٤)فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔(کفایت المفتی:٣/٥٤-٥٥)

---

(١)　وأما التثويب بين الأذان والإقامة فلم يكن في عهده عليه السلام،آه.(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،باب الأذان:٢/٥٥١.انيس)

(٢)　وروى عن مجاهد قال:دخلت مع عبدالله بن عمرمسجداً وقد أذن فيه،ونحن نريد أن نصلي فيه،فثوب المؤذن،فخرج عبدالله بن عمرمن المسجد وقال:اخرج بنا من عندهذا المبتدع ولم يصل فيه.(سنن الترمذي،باب ماجاء في التثويب في الفجر(ح:١٩٨)انيس)

(٣)　وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس واختاره قاضي خان وغيره، نهر.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،قبيل مطلب في أذان الجوق:١/٣٥٩)

وخصه الثاني بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس واختاره قاضي خان وغيره.(النهرالفائق شرح كنزالدقائق،باب الأذان:١/١٧٧.انيس)

(٤)　قال في العناية:"أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات الخ وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس،الخ.(رد المحتار،باب الأذان:١/٣٨٩،ط:سعيد كمپنى)

وعند المتقدمين هومكروه في غيرالفجر،وهوقول الجمهور،الخ.(البحرالرائق،باب الأذان:١/٢٧٥،ط:بيروت لبنان)

عن منصور عن إبراهيم قال:كانوايثوبون في العتمة والفجر وكان مؤذن إبراهيم يثوب في الظهروالعصر فلاينهاه.(مصنف ابن أبى شيبة،في التثويب في أى صلاة هو (ح:٢١٧٥)انيس)

اذان کے بعدلوگوں کو جماعت کے لئے بلانا:

سوال: لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اذان مسجد میں ہوجائے، تو مؤذن کو یا اور جو آدمی داخل مسجد ہے، اگر باہر سے ان آدمیوں کو جو باہر کسی مکان میں دس بیس بیٹھے ہیں، اس غرض سے بلالے کہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں، تو ایک کفارہ کا بکرا آتا ہے، ان کو بلانا جائز ہے یا نہیں، اور کفارہ آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعداذان کے مؤذن یا دیگر حاضر مسجد کو کسی کو جماعت کی شرکت کے واسطے اطلاع کردینا اور بلانا درست ہے، بلکہ ثواب ہے اور یہ عوام کا کلام ہے کہ بکرا کفارہ آتا ہے، سو یہ غلط ہے۔ البتہ بعداذان کے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنے کی عادت کرنا، بعض علما کے نزدیک بدعت ہے اور یہی صحیح ہے کہ عوام کے نزدیک اذان لغو ہوجاتی ہے اور موجب سستی کا ہوتا ہے، مگر کسی رہ گئے کو مطلع کردینا، یہ ہرگز منع نہیں، نہ اس میں کچھ کفارہ ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

رشید احمد۔ (فیوض رشیدیہ ص ۲۴)۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۴۲)

راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم:

سوال: کچھ عرصہ سے مجھے شوق پیدا ہوا ہے کہ جس وقت میں اپنے مکان سے نماز کے لئے روانہ ہوتا ہوں، تو اپنے ہمسایہ اور ملنے والوں کو نماز کی دعوت دیتا ہوا مسجد پہنچتا ہوں، راستہ میں اکثر ''نماز، نماز'' کی آواز بھی لگاتا ہوں۔ میرے اس فعل کو کچھ لوگ بدعت کہتے ہیں اور حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، تو وہاں ایک شخص نے تثویب شروع کردی، ابن ابی شیبہ مجاہد کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد ''**الصلاۃ الصلاۃ**'' کے لفظ سے تثویب کی اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہد سے فرمایا کہ یہ بدعت ہے، مجھے یہاں سے لے چل۔ (کتاب کا نام ہے ''راہ سنت''، ص: ۱۳۲، مصنفہ مولوی محمد سرفراز خان صفدر، فاضل دیوبند، خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی، صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

مولوی عبدالحنان صاحب گجر کھڈہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مؤذن کے لئے ہے کہ مسجد کی طرف سے مؤذن دوبارہ نماز کا اعلان نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص مسجد کے باہر لوگوں کو ''نماز، نماز'' پکار کر بلاتا ہے، تو یہ بدعت نہیں، اس لئے جائز ہے۔

---

(۱) (قوله: والتثويب،الخ): هذا هو التثويب المحدث وإنما اختص بالفجر لاختصاصه بوقت يستحب فيه النوم فاستحب زيادة الاعلام و لم ير عامة مشايخنا اليوم بأسًا في الصلوات كلها لتغير أحوال الناس. (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، باب الأذان: ۸٤/۱، انيس)

میرے مکان سے مسجد تک کچھ فاصلہ ہے۔راستہ میں کئی مکان پڑتے ہیں،جن کے قریب سے گزرتے ہوئے میں ''نماز،نماز'' کی آواز لگاتا ہوا مسجد کو پہنچتا ہوں۔اب آپ یہ فرمائیں کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا بدعت؟عبدالحنان صاحب نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ صبح کے وقت لوگوں کو نماز کیلئے جگایا کرتے تھے۔

بہرحال آپ کا جواب آنے پر میں قطعی فیصلہ کروں گا کہ مجھے یہ کام بند کرنا چاہئے،یا جاری رکھنا چاہئے؟

الجواب

ایک تو تثویب ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جولوگ نماز کے عادی ہیں،لیکن اپنے مشاغل میں مشغول ہیں اور احتمال ہے کہ غفلت ومشغولی کے سبب نماز سے نہ رہ جائیں،ایسے لوگوں کو دوبارہ نماز کی اطلاع دینا۔

لأن معنی التثویب العود إلی الإعلام بعد الإعلام،درر. (ردالمحتار: ١/٢٨٦)(١)

متقدمین نے اسے ناجائز کہا ہے اور متأخرین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے(گوعملاً آج کل متروک ہے)اور اس کا محل مسجد ہے۔

اور دوسرے دعوت وتبلیغ ہے کہ جوشخص نماز نہیں پڑھتا،اس کو بذریعہ ترغیب وترہیب نماز کا عادی بنایا جائے،یہ بھی جائز ہے،خواہ اذان کے بعد ہو یا اذان سے پہلے۔لیکن اذان کے بعد مسجد کو جاتے ہوئے''نماز،نماز'' کا نعرہ لگاتے ہوئے جانا نہ تثویب ہے نہ تبلیغ،اس لئے اس کا کوئی خاص فائدہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ سلف سے کہیں منقول لکھا ہے۔ جولوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہ سوئے ہوئے ہیں،ان کو ''الصلاۃ'' کہہ کر جگانا امر آخر ہے،(٢) لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کرنا بظاہر صحیح نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۰۲-۲۰۳)

بعد اذان امام اور مقتدیوں کو بلانا کیسا ہے:

سوال: مؤذن کو بعد اذان کے امام یا دیگر نمازیوں کو بلانا درست ہے یا نہیں؟

(١) ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب الأذان،قبیل مطلب في أذان الجوق.انیس

(٢) کان عمر بن الخطاب یصلي کل لیلۃ ماشاء اللّٰہ أن یصلي،حتی إذا کان من آخر اللیل أیقظ أھلہ للصلاۃ ، الخ.(موطأالإمام محمد،باب صلاۃ اللیل (ح:١٦٩)

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یمر بباب فاطمۃ ستۃ أشھر إذا خرج لصلاۃ الفجریقول:الصلاۃ یا أھل البیت،إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَذْھَبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ.(اتحاف المھرۃ لابن حجر (ح:١٠٢٢)

عن عائشۃ قالت:کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلي من اللیل إحدیٰ عشرۃ رکعۃ فإذا فجر الفجر صلی رکعتین خفیفتین ثم اتکی علی شقہ الأیمن حتی یاتیہ المؤذن یؤذنہ للصلاۃ.(مصنف عبدالرزاق الصنعاني،باب صلاۃ النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اللیل (ح:٤٧٠٤)انیس)

الجواب

یہ اچھا نہیں ہے، الابضرورت کبھی ایسا ہوتو مضائقہ نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۱۰۳/۲)

اذان کے بعد مقتدیوں کو آواز دینا کیسا ہے:

سوال: فی زمانہ عوام کی حالت سخت خراب ہے اگر امام ان کا انتظار نہ کرے تو سخت تنگ کرتے ہیں۔اگر کبھی نماز پڑھ لے اور بعض لوگ رہ جاویں تو سخت تنگ کرتے ہیں۔ایسی صورت میں ایک طالب علم نے کہا کہ تثویب طریقۂ مسنونہ ہے، مؤذن امام کو وقتِ نماز پر جب سب نمازی جمع ہوجاویں بلاسکتا ہے اور یہ طریقہ متأخرین کا جاری کردہ ہے کہ بعد اذان قبل اقامت مسجد کے منارہ پر چڑھ کر مقتدیوں کو پکارا جاوے اور حضرت، بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا ثابت ہے۔

"إن بلالاً كان يجيء بباب النبي صلى الله عليه واله وسلم بين الأذانين ويؤذنه بالصلاة"، (۲)
سو قول فیصل تحریر فرمائیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"(ويثوب) بين الأذان والإقامة في الكل للكل.(الدرالمختار)

(قوله في الكل):أي كل الصلاة لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية:أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ماتعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل وهوتثويب الفجر،وماراٰه المسلمون حسناً فهوعنداللّٰه حسن.

(قوله للكل):أي لكل أحد وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس،واختاره قاضي خان وغيره،نهر.(۳)

(۱) قال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه في غير الفجر؛ لماروى الترمذي وابن ماجة من حديث ابن أبي ليلىٰ عن بلال قال:" أمرني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لا أثوب في شيء من الصلوٰة إلا في الفجر".قال أصحابنا:هوأن يقول بين الأذان والإقامة" حَيَّ على الصلوٰة،حيَّ على الفلاح"مرتين،وقال غيرهم:هوأن يقول في أذان الفجر"الصلوٰة خيرمن النوم"مرتين.ولماروى أن علياً رضي اللّٰه عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء قال: "أخرجوا هذاالمبتدع من المسجد،وكذا كرهه مالك والشافعي مطلقاً.(شرح النقاية:۶۲/۱)ظفير)

(۲) عن سعيدبن المسيب عن بلال أنه أتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يؤذنه بصلاة الفجر فقيل:هو نائم،فقال:"الصلاة خيرمن النوم" فأقرت في تأذين الفجر فثبت الأمر على ذلك.(سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان (ح:۷۱۶)/ وكذا في سنن الدارمي،التثويب في أذان الفجر (ح:۱۲۲۸) عن سعد القرظي،انيس)

(۳) دیکھئے! رد المحتار،باب الأذان،قبيل مطلب في أذان الجوق:۳۶۱/۱-۳۶۲.ظفير

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تثویب احداث متأخرین سے ہے اور امام ابو یوسف نے اس کو قاضی ومفتی کے واسطے خاص کیا ہے۔ پس اجتناب اس سے بہتر ہے اور کوئی ضرورت خاصہ ہو تو جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۱۲۶-۱۲۷)

اذان کے بعد یہ اعلان کہ ''پندرہ منٹ باقی ہیں'':

سوال: دار العلوم میں اذان لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے اور لڑکے یہ بھی کہنے لگیں کہ پندرہ منٹ پہلے یہ اعلان بھی کر دیا جایا کرے کہ نماز تیار ہے یا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور اس کو منظور کر لیا جاوے، تو کوئی نقص یا کراہت تو نہیں آتی، یا بدعت کے اندر داخل تو نہیں؟ جو بھی ہو، اس کو مع حوالہ ذکر کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے، گھڑی عامۃً ہاتھ پر یا جیب میں موجود رہتی ہے، اذان ونماز کا فصل متعین ہے، وقت کی تبدیلی کا اعلان با قاعدہ ہوتا ہے، ماشاء اللہ سبھی نماز و جماعت کا اہتمام رکھنے والے ہیں، اتفاقیہ کسی ایک کو غفلت ہو جائے، تو دوسرے ساتھی تنبیہ کر دیتے ہیں۔

ان حالات میں پندرہ منٹ پہلے نماز تیار ہے کا اعلان کرنا گویا کہ اذان کو غیر معتبر قرار دینا ہے، جن عوارض کے تحت تثویب کی گنجائش دی گئی ہے، وہ یہاں موجود نہیں۔

''قالوا: لابأس بالتثويب المحدث فى سائر الصدور لفرط غلبة الغفلة على الناس فى زماننا و شدة ركونهم إلى الدنيا وتبادرهم بأمور الدنيا، آه''. (بدائع الصنائع: ۱/۱٤۸)(۱)**فقط واللّٰه سبحانه تعالىٰ**

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱/۲۸/۱۳۸۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۹۹-۵۰۰)

نماز کے لیے بار بار اعلان کرنا کیسا ہے:

سوال: محلے میں ایک مسجد سے (بلکہ چند مساجد سے) صبح فجر کی نماز کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ: ''فجر کی نماز میں دس منٹ باقی رہ گئے ہیں''، اس کے بعد ''پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں''۔ یہ جملے تین تین مرتبہ دہرائے جاتے ہیں اور ان مساجد سے بار بار اعلان سے محلے میں دوسری مساجد میں جہاں لوگ سنت کی ادائیگی، قرآن کی تلاوت یا گھر میں

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فى كيفية الأذان: ۱/٦٤۱، دار الكتب العلمية، بيروت

والمتأخرون استحسنوه فى الصلوات كلها لظهور التوانى فى الأمور الدينية، ولهذا أطلقه فى الكتاب''. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲٤۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

وأما المتأخرون فاستحسنوا التثويب فى جميع الصلوات؛ لأن الناس قد ازداد بهم الغفلة، وقلما يقومون عند سماع الأذان، فيستحسن التثويب للمبالغة فى الإعلام، ومثل هذا يختلف باختلاف أحوال الناس''. (المبسوط للسرخسى، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷٤، المكتبة الغفارية، كوئٹة)

خواتین نماز کی ادائیگی میں مصروف ہوتی ہیں۔اسی طرح بعض حضرات نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہیں،تو یہ اعلان کرتے ہوئے گزرتے ہیں کہ:''بھائیو!نماز کا وقت ہوگیا ہے،اٹھ جایئے'' کہاں تک درست ہے؟

الجواب

نماز کی اطلاع کے لیے شریعت نے اذان مشروع کی ہے،اور اذان کے ذریعے سے نماز کے وقت کا اعلان کیا جاتا ہے،اذان کے بعد یہ جو دوسرا اعلان ہوتا ہے،اس کو''تثویب'' کہتے ہیں،اور فقہائے امت نے اس کو بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)اور یہ کہ کوئی آدمی کسی دینی کام میں منہمک ہو،تو اس کو نماز کے وقت کی اطلاع کردینا جائز ہے۔(۲)

الغرض! آپ کے ہاں جو رواج چلا آتا ہے یہ شرعاً جائز نہیں،اس کو بند کردینا چاہیے۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۹۹/۳-۳۰۰)

اذان کے بعد جماعت سے پہلے اسپیکر پر بلند آواز سے ''سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ'' کہنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے بعد جماعت سے کچھ منٹ پہلے ایک آدمی یہ کلمات لاؤڈ اسپیکر میں کہتا ہے،مثلاً''سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ'' اٹھو،نماز کا وقت ہوگیا ہے،جلدی مسجد میں آؤ،نماز کا وقت قریب ہے،وغیرہ وغیرہ۔کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز کیا ان کلمات سے اذان کی اہمیت میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب

اذان واقامت کے درمیان مذکورہ کلمات کہنا اصطلاح شرع میں تثویب کہلاتا ہے۔(۴)

فتاویٰ امداد الاحکام میں اسے مکروہ لکھا ہے۔(جلد:۱/۳۴۱)فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،نائب مفتی،۱۳/۱۱/۷ ۱۴۰ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲۱۹/۲-۲۲۰)

---

(۱) التثويب في الفجرحي على الصلاة حي على الفلاح مرتين بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم و غفلة وكره في سائر الصلوات.(الهداية: ۸۹/۱،باب الأذان،طبع مكتبة شركة علمية،ملتان)

(۲) قوله لكل)وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس واختاره قاضيخان وغيره نهر.(ردالمحتار: ۳۸۹/۱، مطلب في أوّل من بنى المنابر للأذان)

(۳) ناجائز کسی فقیہ کا قول نظر سے نہیں گذرا،البتہ مکروہ کہا گیا ہے۔انیس

(۴) {ثوب} إذا ثوب بالصلاة فأتوها أي أقيمت ، وأصل التثويب أن يجيء مستصرخ فيلوح بثوبه ليرى ويشتهر فسمي به الدعاء ،وقيل:من ثاب إذا رجع فهو رجوع إلى الأمر بالمبادرة إلى الصلاة بقوله:الصلاة خير من النوم بعدقوله حي على الصلاة.(مجمع بحار الأنوار،مادة ثوب: ۳۰۹/۱)

التثويب: هو الإعلام بعد الإعلام بنحو''الصلاة خير من النوم'' أو''الصلاة الصلاة'' أو'' الصلاة حاضرة'' أو نحو ذلک ، بأی لسان کان وقدکان یسمی فی العهد النبوی وعهد أصحابه زيادة الصلاة خير من النوم في أذان الفجر تثويباً.(التعريفات الفقهية،مادة التثويب: ۵۱/۱.انيس)

عشاوتراویح میں تثویب کاحکم:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشا کی اذان کے بعد فرض نماز شروع کرنے سے تقریباً چار پانچ منٹ قبل ایک آدمی قبلہ رو کھڑا ہو کر بلند آواز میں مثل اذان کے پکارتا ہے۔"الصلاة سنة التراويح رحمكم اللّٰه" دومرتبہ۔اس کے بعد وقت مقررہ پر نماز عشا ادا کی جاتی ہے۔۲ رسنت،۲ رنفل کے بعد تراویح نماز کے لئے اٹھنے سے قبل "فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمة وعافية والسلامة لا إلٰه إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد"، یہ کلمات ہر دو رکعت کے سلام پھیرتے ہی پڑھی جاتی ہے، بلکہ جتنی کلمات پڑھی جاتی ہے، مندرجہ ذیل وضاحت سے مذکور ہے۔

(۲) بعد وتر "سبحان ذی الملک والملکوت، الخ" تین بار، اب کچھ لوگ ان تسبیحات کے قائل ہیں اور کچھ لوگ "سبحان ذی الملک، الخ" کا قائل ہیں۔دونوں میں بحث ومباحثہ ہو کر لڑائی ہو جاتی ہے، وہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، یہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

هــو المصــوب

(۱) صورت مسئولہ میں نماز عشا سے قبل اس طرح کا اعلان کرنے یا تراویح کی نماز سے قبل اس طرح کے الفاظ ادا کرنے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، اس طرح کے اعلان کو تثویب کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک تثویب مکروہ ہے۔فقہاء احناف میں بھی اختلاف ہے، بعض جواز کے قائل ہیں۔(۱)

(۲) سبھی فقہا تراویح میں ہر چار رکعت بعد جلسۂ استراحت کے قائل ہیں، اس دوران متعین طور پر کوئی تسبیح مشروع نہیں ہے، انفرادی طور پر کوئی تسبیح، استغفار، درود وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔اسی طرح خاموش رہے، تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔تسبیح یا دعا پڑھنے میں یہ خیال رہے کہ دوسروں کے حق میں خلل نہ ہو۔(۲)

(۱) والتثويب في الفجر "حي على الصلاة وحي على الفلاح" مرتين بين الأذان والإقامة؛ لأنه وقت نوم وغفلة وكره في سائر الصلوات ومعناه العود إلى الإعلام بعد الإعلام وهو على حسب ماتعارفوه وهذا التثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغير أحوال الناس وخصوا الفجر به لما ذكرنا والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية. (الهداية مع الفتح: ١/ ٢٤٩)

(٢) (الفصل الرابع في الانتظار بعد كل ترويحتين) وهو مستحب هكذا عن أبي حنيفة لأنها سميت بهذا الاسم لمعنى الاستراحة وأنها مأخوذة عن السلف وأهل الحرمين فإن أهل مكة يطوفون سبعا بين كل ترويحتين كما حكينا عن مالك. (المبسوط للسرخسي، فصل الانتظار بعد كل ترويحتين: ٢/ ١٤٥. انيس)

سوالنامہ میں مذکور دعائیں وتسبیحات انفرادی طور پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔البتہ اس کو دوسروں پر لازم قرار دینااور بآواز بلنداجتماعی طور پر پڑھنادرست نہیں ہے۔ بہرحال صحابۂ کرام کے دور میں یہ امور نہ تھے۔(۱)

تحریر: ساجدعلی۔تصویب: ناصرعلی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۸۸/۱۔۳۸۹)

جماعت کیلئے نقارہ بجانا کیسا ہے:

سوال: محلّہ شیش گران میں صرف ایک مسجد ہے اور محلّہ وسیع ہے، اذان کی آواز بھی سب جگہ نہیں جاتی۔ باشندگانِ محلّہ سب نمازی ہیں، جوکاری گرلوگ ہیں سب نمازوں کے وقت ان کے کام کے ہیں اور کام پر سے اٹھنا ان کے حرج ونقصان کا باعث ہوتا ہے اس لئے وہ جماعت کی پابندی نہیں کرسکتے۔نظر برآں یہ ترکیب کی گئی تھی کہ اذان وقت پر ہوتی تھی اور جماعت کی تیاری پر نقارہ کے ذریعہ سے جوخارج مسجد رکھا ہوا ہے کاریگروں کواطلاع کردی جاتی تھی اورسب کاریگرآجاتے تھے،اس میں ان کو جماعت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا اور جم غفیر کے ساتھ جماعت ہو جاتی تھی۔اب بعض حضرات نے نقارہ کی ممانعت کی اور جماعت ٹوٹ گئی جس کوتوفیق ہوتی ہے فرداً فرداً نماز پڑھ لیتا ہے، ورنہ کچھ ضروری نہیں سمجھتا۔ایسی صورت میں نقارہ کے اعلان کو جوخارج ازمسجد ہے کیسا سمجھا جاتا ہے اوراس کی بابت کیاحکم ہےاورکون ذریعہ اطلاع کا مستحسن ہے؟

الجواب ______________

اعلام بعدالاذان جس کوتثویب کہتے ہیں۔علماءمتقدمین نے اس کومکروہ اور بدعت کہا ہےاورعلماءمتاخرین نے بوجہ تساہل کے اس کو جائز رکھا ہے۔پس بر بنائے مذہب متاخرین اگراعلام کے واسطےکوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہوتونقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے۔**کما فی الدرالمختارو ردالمحتار:**

"(ويثوب) بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه". (الدرالمختار)"كتنحنح أو"قامت قامت" أو"الصلاة الصلاة " ولوأحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز. (ردالمحتار)(۲) فقط

(اورجبکہ اذان کی آوازپہنچ جاتی ہو،توبلاضرورت نقارہ بجانے سے بچنا چاہئے،اس وجہ سے کہ ابتدائے امراذان میں اس طرح کی تمام صورتیں ردکردی گئی تھیں۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۴/۲۔۱۰۵)

---

(۱) **(والمستحب في الجلوس بين الترويحتين مقدارالترويحة) كان من حقه أن يقول: والمستحب في الانتظار بين الترويحتين لأنه استدل بعادة أهل الحرمين على ذلک وأهل الحرمين لايجلسون فإن أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعاً وأهل المدينة يصلون بدل ذلک أربعاًوأهل كل بلدة بالخياريسبحون أويهللون أوينتظرون سكوتاً. (العناية شرح الهداية،فصل في قيام شهررمضان: ٤٦٨/١)**

بلندآواز سے تسبیح پڑھنے سے دوسروں کوخلل ہوگا،اس لیے مناسب نہیں ہے۔انیس

(۲) دیکھئے! **ردالمحتارللشامي،باب الأذان،قبيل مطلب في أذان الجوق: ٣٦٢/١،ظفير**

نمازیوں کی خبر کے لئے مسجد میں نقارہ بجانا کیسا ہے:

سوال: مسجد میں واسطے حاضری نمازیوں کے نقارہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب

اذان کہیں،(۱) نقارہ مسجد میں حاضری کے واسطے درست نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۲۵)

اذانِ جمعہ کیلئے نقارہ بجانا اوراس کے متعلق چند سوالات:

سوال: آج کل دیہاتوں میں یہ قاعدہ ہے اختیار کیا ہے کہ ہر ایک مسجد میں ایک ایک نقارہ رکھا ہوا ہے، اس واسطے کہ جمعہ کے روز اس کو واسطے اعلان نمازِ جمعہ کے بجایا جاوے۔ کیونکہ اکثر لوگ دیہاتوں کے باہر کھیتوں میں دور دور ہوتے ہیں، اذان کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اس وجہ سے مسجدوں میں نقارے رکھے گئے ہیں، اس واسطے وہ نقارہ جمعہ کے روز اور روزہ افطاری کے وقت اور سحری کے وقت بجایا جاتا ہے اور مسجد کے روپے سے وہ نقارہ بنایا گیا ہے، سو اس طرح یہ نقارہ بجانا اعلان کے واسطے اور مسجد کے روپے سے اس کو بجانا جائز ہے کہ نہیں اور اس کو جائز جاننا کیسا ہے؟

دوسرے بیماریِ طاعون کے واسطے اس نقارے پر ایک دعا لکھ کر اس کو بجایا جاتا ہے، اس واسطے کہ اس کی آواز جہاں تک جائے گی بیماری طاعون دور ہوجائے گی، اس طرح بجانا اور اس کو جائز جاننا کیسا ہے، اور نقارہ کو مسجد کے اندر رکھنا اور بجانا کیسا ہے، خلاصہ جواب باصواب مع حوالۂ کتبِ احادیث کے مرحمت فرمادیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط

الجواب

افطار اور سحری کے لئے تو نقارہ بجانا جائز ہے، لیکن اذانِ جمعہ کی اطلاع کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں نقارہ سے اذان کا کام لینا لازم آئے گا اور یہ حدیث کے خلاف ہے۔

(۱) " لأن الأذان من أعلام الدين". (الكبيرى شرح منية المصلى:۳۵۷،ظفير)

(۲) وفى حديث أبى داؤد عن عبد اللّٰه بن زيد. رضى اللّٰه عنه. قال:" لما أمر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به الناس لجمع الصلوٰة طاف بى وأنا نائم(إلٰى قوله)تقول:"اللّٰه أكبر،اللّٰه أكبر"(إلٰى آخر الحديث). (الكبيرى شرح منية المصلى:۳۵۷)

اس سے پہلے مفتی علام نے نقارہ کی اجازت دی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ اذان کے بعد نماز کی مزید اطلاع کے لئے ہو، اور جماعت کے انتظام کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ یہاں سوال مختصر ہے اور کسی مجبوری کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اجازت نہیں دی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم اهتمّ أوّلا بأن يضرب الناقوس أو البوق فتركه حذرًا عن التشبه بالكفار فلا يجوز لنا إحداث ماتركه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لإعلام الصلاة. (١)

دوسرے دیہات والوں کے ذمہ جمعہ کی نماز فرض نہیں تو ان کو اطلاع کی ضرورت ہی کیا ہے جو شخص بدوں اطلاع کے آسکے پڑھ لے، ورنہ خیر۔

اور مسجد کے روپیہ سے نقارہ بنانا اس کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگوں نے مسجد میں اس غرض سے روپیہ دیا ہو کہ اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ صورت تو جائز ہے، ایک یہ کہ جو روپیہ مصارفِ مسجد کے لئے جمع تھا، اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ جائز نہیں۔

فقد صرح فى الخلاصة أنه لايجوز لقيم المسجد أن يشترى جنازة أو تختًا لغسل الأموات من مال المسجد. (٢)

اور طاعون کے زمانہ میں نقارہ پر دعا لکھ کر بجانا بھی جائز نہیں، **لفساد عقيدة العوام فيه**، اور نقارہ کو مسجد کے اندر یا مسجد کی چھت پر رکھ کر بھی بجانا جائز نہیں، بلکہ جن مواقع میں بجانا جائز ہے، اس وقت مسجد سے باہر رکھ کر بجایا جائے اور نقارۂ مسجد کو مسجد میں رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے رکھنے سے نمازیوں کو تنگی نہ ہوتی ہو، ورنہ باہر رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رشوال ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۴۶-۴۷)

---

(١) عن أبى عميربن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له: انصب رأية عند حضور الصلاة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضًا، فلم يعجبه ذلك، قال: فذكر له القنع يعنى الشبور، وقال زياد: شبور اليهود، فلم يعجبه ذلك وقال: هومن أمر اليهود، قال: فذكر له الناقوس، فقال: هومن أمر النصارىٰ، فانصرف عبداللّٰه بن زيد بن عبدربه وهومهتم لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأرى الأذان فى منامه، قال: فغدا على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبره فقال له: يارسول اللّٰه! إنى لبين نائم ويقظان إذ أتانى آتٍ فأرانى الأذان، قال: وكان عمربن الخطاب رضى اللّٰه عنه قد رآه قبل ذلك فكتمه عشرين يومًا، قال: ثم أخبر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال له: مامنعك أن تخبرني؟ فقال: سبقنى عبداللّٰه بن زيد، فاستحييت، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يابلال! قم فانظر مايأمرك عبداللّٰه بن زيد، فافعله، قال: فأذن بلال، قال أبوبشر: فأخبرنى أبوعمير أن الأنصار تزعم أن عبداللّٰه بن زيد لولا كان يومئذ مريضًا لجعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مؤذناً. (سنن أبى داؤد، باب بدء الأذان (ح: ٤٩٨)/ السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٤) انيس)

(٢) ليس لقيم المسجد أن يشترى جنازةً وإن ذكر الواقف أن القيم يشترى جنازة، كذا فى السراجية. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثانى فى الوقف وتصرف القيم وغيره: ٢/٤٦٢. انيس)

اذان کے بعد نقارہ:

سوال: ضربِ نقارہ قبل یا بعد اذان بغرض ہوشیاری وبداری غافلین ومتساہلین واطلاع دور دور مسجد سے رہنے والے مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علاقہ مدراس میں اکثر شہروں میں رواج ہے۔ بینوا وتوجروا۔

(محمد صالح، مدراسی، ۱۷/اپریل/۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کو تثویب کہتے ہیں، متأخرین نے علی الاطلاق اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فی المراقی، ص: ۱٤٤: "ویثوب بعد الأذان فی جمیع الأوقات لظهور التوانی فی الأمور الدینیة فی الأصح، وتثویب کل بلد بحسب ما تعارفه أهلها".

قال الطحطاوی: (قوله فی جمیع الأوقات) استحسنه المتأخرون، الخ. (۱)

قال الشامی: ٥/٢٤٧: "أقول: وینبغی أن یکون طبل المسحر فی رمضان لإیقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام، تأمل". (۲)

مسلمانوں کو خود شرم وحیا کا موقعہ ہے کہ فریضۂ مذہبی ادا کرنے کے لئے اذان کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ نقارہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۲۸/۱/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۳۰/محرم الحرام/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۳)

نمازیوں کا گھنٹی کی آواز پر حاضر ہونا نہ کہ اذان کی آواز پر:

سوال: توقیر آواز اذان چہ قدر است مصلیاں چند بمقابلہ جرس سرکاری ہیچ توقیر اذان کہ نقارۂ حاکم حقیقی ست نمی کنند تا جرس سرکاری کہ مقرر شدہ است آواز ندہد بمسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چہ حکم مابین است مشرح مطلع فرمایند واجر توقیر کردن وتادیب غیر توقیر کردن چہ قدر است؟ بینوا توجروا۔ (۳)

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۸، قدیمی

(۲) رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ٦/٣٥٠، سعید

"وأطلق فی التثویب، فأفاد أنه لیس لفظ یخصه، بل تثویب کل بلد علی ما تعارفوه، إما بالتنحنح أو بقوله: "الصلاة الصلاة"، أو "قامت قامت"، لأنه للمبالغة فی الإعلام، وإنما یحصل بما تعارفوه، فعلی هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذکر جاز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٤٥٣، رشیدیة)

(۳) ترجمۂ سوال: اذان کا کتنا احترام چاہئے؟ بعض نمازی سرکاری گھنٹی کے مقابل اذان کی کوئی توقیر نہیں کرتے، ==

الجواب

برجرس آمدن وبراذان نیامدن اگر بنا برتوقیر جرس وعدم توقیر اذان بودے ہرآئینہ امرے بس قبیح وشنیع بود لیکن جائے چنیں دیدہ وشنیدہ نشد بلکہ دراصل مدار نماز بروقت است واز جملہ معرفات وقت جرس ہم است چوں معرفات وآلات دیگر مثل مقیاس کہ در دائرۂ ہندیہ منتصب می باشد وفقہاء نیز اعتبارش کردہ اند پس ہرکہ برجرس می آید نہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس است، بلکہ بایں حیثیت کہ آواز معرفات وقت ست، وبر مسلمانان بدگمانی کردن خود بے توقیری اسلام است کہ از بے توقیری اذان اشد است۔(۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم

۹ رشوال ۱۳۲۳ھ۔امداد، صفحہ:۶۶ رجلد:۱ (حوادث صفحہ:۶۹، جلد:۱-۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۰-۱۶۱)

اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کرلوگوں کونماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے:

سوال: ہمارے اس دیہات میں بعض نے ایسے رواج کرلیا کہ ہرنماز یا بعض نماز جیسے فجر وعصر وجمعہ کی اذان کے آگے یا پیچھے گھنٹے بجاتے ہیں یا ٹین پر مارتے ہیں، تاکہ لوگوں کونماز کے وقت کا ہونا......، یا جماعت شروع ہونا معلوم ہوتا کہ جلد مسجد کی طرف روانہ ہوں نماز کے باجماعت ادا کے لئے، بعض نے مسجد کے ساتھ ہی گھنٹہ لٹکایا اور ٹین کولٹکایا، ان سے جب اس کی علت پوچھی گئی تو جواب دیا کہ گھنٹے وٹین کی آواز بہت بلند ہے لوگ بہت دور سے سنتے ہیں کہ جہاں اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی، بعض کہتے ہیں کہ فجر میں نیند سے بیداری کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، غرضیکہ کسی صورت سے یہ نامشروع فعل جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، نادان کا یہ خیال ہے کہ ایسا فعل قطعاً حرام ہوگا، کیونکہ اس سے اذان مسنونہ بالکل بیکار ہوجاتی ہے، اس کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی، اس پر اعتماد کرکے لوگ بھی گھنٹے کی آواز کی طرف تاک لگائے رہتے ہیں، حالانکہ اذان کو ایسے بیکار چھوڑنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، اوراس سے تشابہ بالکفار بھی لازم آتا ہے؟

== حالانکہ اذان حاکمِ حقیقی کا نقارہ ہے۔سرکاری گھنٹی (جس کے بجنے کا وقت مقرر رہے) جب تک نہیں بجتی وہ لوگ نماز کے لئے مسجد نہیں آتے ان کے بارے میں جو حکم ہو، وہ مشرح بیان فرمایا جائے اور اذان کے احترام کرنے کا کتنا ثواب ہے؟ اور بے حرمتی کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔سعید پالنپوری

(۱) ترجمۂ جواب:۔گھنٹی بجنے پر آنا اور اذان پر نہ آنا اگر گھنٹی کے احترام اور اذان کی بے حرمتی کی وجہ سے ہے تو واقعی یہ بہت قبیح وشنیع حرکت ہے لیکن کہیں ایسا سنا گیا نہ دیکھا گیا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ نماز کا مدار وقت پر ہے اور وقت کی علامات میں سے دیگر آلات کی طرح گھنٹی بجنا بھی ہے جیسے دائرۂ ہندیہ کا مقیاس کہ اسے فقہا نے بھی معتبر مانا ہے، لہٰذا جو شخص گھنٹی بجنے پر مسجد آتا ہے، اس کا مقصد گھنٹی کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی، بلکہ اس نے اس کی آواز کو منجملہ معرفات وقت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرنا خود اسلام کی بے توقیری ہے، جو اذان کی بے توقیری سے بڑھی ہوئی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔سعید پالنپوری

الجواب

صورت مسئولہ سوال مکروہ ہے اور بدعت، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اعلان نماز کے لئے طریق اعلان نماز کی فکر ہوئی تو حضور نے ان سب طریقوں کو ناپسند فرمایا اور الہام ووحی کے بعد اذان کو اختیار فرمایا، اب اذان کے ساتھ دوسرے طریقے اعلان کے لئے اختیار کرنا بدعت ہے۔

وأيضًا ففي الجرس للعبادة مثل الصلاة تشبهًا بالهنود. (۱)

البتہ اگر اذان سے پہلے گھنٹہ اس واسطے بجایا جائے تاکہ بستی والوں کو وقت کی اطلاع ہو جائے اور مؤذن وقت کو معلوم کر کے اذان دے تو اس میں گنجائش ہے۔

لكون الجرس لغير الصلاة من بيان الأوقات وفيه سعة. والله أعلم

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۹-۵۰)

اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے:

سوال: شہر پیران پٹن علاقہ گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر بعد اذان مسنونہ صلوٰۃ خمسہ کے ایک پیتل کی تختی جسے عرف عام میں گھنٹہ کہتے ہیں بجایا جاتا ہے، اس کا بجانا شریعت محمدی سے جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ۱۲۲۳، محمد سعید، ناگدیوی، اسٹریٹ نمبر ۱۵۰، ممبئی نمبر ۳۔ ۲۱/ رجب ۱۳۵۵ھ، م ۸/ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت عالیہ)

حامدًا ومصليًا: ابتداء زمانۂ اسلام میں لوگ بہ یک وقت نماز کے لئے جمع نہ ہو سکتے تھے اور ضرورت تھی کہ نماز کے اعلان کا کوئی مخصوص طریقہ ہو۔ صحابۂ کرام میں سے بعض نے بوق اور بعض نے ناقوس وغیرہ کی بابت رائے دی جو بوجہ تشبہ یہود ونصاریٰ ناپسند ہوئی، ابھی اس امر کی بابت کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے ایسی غنودگی کی حالت میں جو نیند اور بیداری کے درمیان تھی دیکھا کہ ایک شخص آسمان سے نازل ہوا جس کے ہاتھ میں ناقوس کے مشابہ کوئی شے تھی حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اسے خریدنا چاہا تو اس نے پوچھا کہ کیا کرو گے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی نمازوں کا اس سے اعلان کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں کیوں ایسی شے

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (الصحيح لمسلم، باب كراهة الكلب والجرس في السفر (ح: ٢١١٤) انيس)

تمہیں نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہو، بہر حال اس شخص نے اذان کی تعلیم دی اور یہ خواب سماعت فرما کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔

والمشهور أنه صلى اللّٰه عليه وسلم لما قدم المدينة كان يؤخر الصلاة تارة ويعجلها أخرىٰ فاستشار الصحابة فى علامة يعرفون بها وقت أداء الصلاة لكى لاتفوتهم الجماعة،فقال بعضهم ننصب علامة حتى إذا رآها الناس أذن بعضهم بعضًا فلم يعجبه ذلك وأشار بعضهم بضرب الناقوس فكرهه لأجل النصارى وبعضهم بالنفخ فى الشبور فكرهه لأجل اليهود وبعضهم بالبوق فكرهه لأجل المجوس فتفرقوا قبل أن يجتمعوا علىٰ شيء،قال عبد اللّٰه بن زيد الأنصارى فبت لايأخذ فى النوم وكنت بين النائم واليقظان إذا رأيت شخصًا نزل من السماء وعليه ثوبان أخضران وفى يده شبه الناقوس فقلت:أتبيعنى هذا؟ فقال ماتصنع به؟ فقلت: نضربه عند صلاتنا،فقال:ألا أدلك علىٰ ما هو خير من هذا ؟ فقلت:نعم،الخ. (المبسوط للسرخسي: ۱۲۷/۱،المبسوط، باب الأذان)

اسلام میں اذان ہی طریقہ اعلان نماز پنجگانہ ہے، اذان کے بجائے یا اذان کے بعد ناقوس یا اسی سے مشابہ کسی چیز سے اعلان نماز شرعا درست نہیں ہے۔ ایسے طریقہ ہائے اعلان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ فقط

اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت العالیہ۔

الجواب

(از حضرت مفتی اعظم)

بے شک بجائے اذان کے یا اذان کے بعد گھنٹہ بجانا اور اس کو نماز باجماعت کا اعلان قرار دینا مکروہ اور بدعت ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی:۳/۵۱-۵۲)

گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع:

سوال: جہاں اہل محلہ کو اذان کی آواز نہ آتی ہو، کیا وہاں گھنٹہ سے جیسے دربان آپ کے یہاں اسباق کے لئے بجاتا ہے، تثویب کرنا کیسا ہے، یعنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو علامہ شامی کے: "**وإن خالف ذلك**" (۲) کا کیا مطلب ہے اور جائز ہے تو تشبہ بالکفار ہے؟ مع حوالہ کتب مفصل تحریر فرماویں۔

(۱) **ولا تثويب إلا فى صلاة الفجر لما روى أن عليًا رضى اللّٰه عنه رأى مؤذنًا يثوب فى العشاء،فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد،الخ"... ولحديث مجاهد.** (المبسوط للسرخسي،باب الأذان: ۱۳۰/۱، ط:دارالمعرفة،بيروت،لبنان)

(۲) **ولو أحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلك جاز،نهر عن المجتبىٰ.** (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۳۸۹/۱،سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر کوئی اور صورت غیر مخدوش تثویب کی نہ ہوتو پھر اس طرح بھی درست ہے اور کیفیتِ دق کو ممتاز کر دیا جائے تا کہ تشبہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ۲/۲/ ۱۳۶۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۱)

گھنٹی اذان کے قائم مقام ہر گز نہیں:

سوال: اگر کسی گاؤں میں مسجد ایک کنارے پر ہے اور اذان پورے گاؤں میں نہ پہنچتی ہو، نمازی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہوں تو اذان پڑھ کرا گر خبر کرنے کے لئے گھنٹی بجا دی جائے تو ٹھیک ہے یا نہیں، اگر ٹھیک ہے تو کس طرح؟ پوری تفصیل سے تحریر فرمائیں، کیونکہ کچھ حضرات کا قول ہے کہ گھنٹی بجانا جائز نہیں، جب کہ ہمارے مذہب نے خبر دینے کے لئے اذان مقرر کی ہے، اس لئے صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کو ترک کر کے اس کی جگہ گھنٹی بجانے کی کسی طرح اجازت نہیں، اذان کے بعد بھی گھنٹی نہ بجائی جائے، خاص کر جب کہ لوگوں کے پاس آج کل گھڑی کا بھی دستور ہے، ہر شخص کا نماز کی طرف دھیان لگا رہنا چاہئے، بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود، دار العلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۲)

---

(۱) ويثوب بين الأذان والإقامة فى الكل للكل بما تعارفوه كتنحنح، أو "قامت قامت"، أو "الصلاة الصلاة"، ولو أحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلك جاز، نهر عن المجتبىٰ". (الدر المختار)

(قوله باتعارفوه). (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ١/٣٨٩، سعيد)

(كذا فى النهر الفائق، باب الأذان: ١/١٧٧. انيس)

"وأطلق فى التثويب، فأفاد أنه ليس لفظ يخصه، بل تثويب كل بلد علىٰ ما تعارفوه، إما بالتنحنح أو بقوله "الصلاة الصلاة"، أو "قامت قامت"؛ لأنه للمبالغة فى الإعلام، وإنما يحصل بما تعارفوه، فعلىٰ هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذكر جاز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٤٥٣، رشيدية)

"ثم التثويب فى كل بلد علىٰ ما تعارفوه ... إما بالتنحنح، أو بقوله "الصلاة الصلاة"، أو "قامت قامت"، أو "بايک بايک"، كما يفعل أهل بخارى؛ لأنه الإعلام، والإعلام وإنما يحصل بما يتعارفونه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى كيفية الأذان: ١/٦٤١، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) شریعتِ مقدسہ نے نمازوں کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے:

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوات==

جھنڈوں اور نعروں کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کے واسطے جھنڈا گلی گلی لے کر گھومنا، نعرۂ تکبیر بالجہر المفرط کرتے رہنا لوگوں کے گلوں میں پرتلہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ امور کیسے ہیں؟ اگر منع ہیں تو مخالفت کی تصریح ممانعت کے الفاظ تلاش کر کے لکھیں کہ علاوہ غزوات کے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں ہے، اگر ثابت ہے تو اس کو مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

اصل اس باب میں یہ ہے کہ اذان اور نماز کے درمیان لوگوں کو نماز کے لئے بلانا اور جمع کرنا (کسی متعارف ذریعہ سے) مشائخ اور ائمہ نے بضرورت جائز بلکہ!

(۱) مستحسن قرار دیا ہے، جس کو اصطلاح میں تثویب کہتے ہیں۔ کیوں کہ مسلمانوں میں روز افزوں غفلت اس کی مقتضی ہے کہ بار بار تنبیہ کی جائے اور اس تنبیہ کے لئے مشائخ رحمہم اللہ نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ!

(۲) ہر زمانہ اور ہر جگہ کے عرف پر چھوڑا ہے کہ جو چیز لوگوں میں نماز کو بلانے کے لئے متعارف ہو جائے وہی ہر جگہ میں لائی جائے اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے رمضان المبارک میں ابتداء اور انتہائے سحر کے لئے ہر شہر وقصبہ میں اپنے عرف کے موافق مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کہیں گھنٹہ بجاتے ہیں کہیں نقارہ وطبل اور کہیں گولہ یا توپ چھوڑی جاتی ہے۔

اور عموماً فقہا نے اس کو جائز ومستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ شامی نے **کتاب الحظر والإباحة** میں ذکر کیا ہے، اس لئے امور مذکورہ سوال میں جو چیزیں فی نفسہ جائز ومباح ہوں اور کسی جگہ وہ نماز کے بلانے کا ذریعہ متعارف بن جائیں تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔ اور یہ طریقہ اگرچہ تثویب کے معروف طریقہ سے کچھ جداگانہ صورت ہے لیکن اشتراک مقصد سے اس کا حکم اختیار کر سکتا ہے۔ البتہ اس میں دو چیزوں کی رعایت زیادہ ضروری ہے ایک تو یہ کہ ان امور میں کوئی چیز ایسی داخل نہ ہو جو فی نفسہ ناجائز ومکروہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان میں غلو اور تعدی نہ کی جائے۔

(۳) مثلاً امور مندرجہ سوال میں بہت سے آدمیوں کا جمع ہونا غزل خوانی کرتے ہوئے بازاروں اور کوچوں میں پھرنا مکروہ ہے اس کو ترک کرنا چاہئے۔

== و ليس ينادى بها أحد، تكلموا يومًا في ذلک، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسًا مثل ناقوس النصارىٰ، وقال بعضهم: اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود، قال: فقال عمر: أو لا تبعثون رجلاً ينادى بالصلاة؟ قال: فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "يا بلال! قم فنادِ بالصلاة". (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء في بدء الأذان: ١/ ٤٨، سعيد)

لما روى أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسی، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/ ٢٧٤، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(۴)　جھنڈا اٹھانا فی نفسہ جائز ومباح ہے اور کسی نص میں اس کی ممانعت وارد نہیں، لیکن ابتدائے اذان کے وقت جھنڈے کی تجویز بعض صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں پیش کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ پسند نہ فرمایا، سوا گرچہ وہ اذان کا معاملہ تھا اور یہ ایک درمیانی بے ضابطہ اعلان ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تاہم ذوقاً ترک بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۵)　امر دوم یعنی غلو اور تعدی کی توضیح یہ ہے کہ اس میں کسی خاص وضع واطوار کو تمام شہروں اور قصبوں کے لئے لازم وضروری نہ قرار دیا جائے، بلکہ ہر جگہ کے لوگوں کو اپنے اپنے طرز پر اپنی تجویز کے موافق آزاد چھوڑا جائے۔ نیز اگر کچھ لوگ بالکل بھی اس کو نہ کریں اور اس میں شریک نہ ہوں تو ان کو ہرگز برا بھلا نہ کہا جائے۔ ان پر کسی قسم کا طعن وتشنیع نہ کی جائے

(٦)　اور جب اس قسم کا غلو ہونے لگے تو پھر اس کا ترک ضروری ہو جائے گا۔

والدليل علىٰ ماقلنا، أما أولاً، فلما في الدر المختار:

(ويثوب) بين الأذان والإقامة في الكل للكل بماتعارفوه.

وفي الشامية: لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق: ٢٦١/١)

وقال في البحر: وهواختيار المتأخرين لزيادة غفلة الناس وقلما يقومون عند سماع الأذان و عند المتقدمين هومكروه في غير الفجر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٥/١)

وأما ما قلنا ثانياً فلما في البحر:

ليس له لفظ يخصصه بل تثويب كل بلد علىٰ ما تعارفوه إما بالتنحنح أوبقوله "الصلاة الصلاة" أو "قامت قامت" لأنه للمبالغة في الإعلام وإنما يحصل بما تعارفوا فعلىٰ هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذكر جاز، كذا في المجتبىٰ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٥/١)

وذكره الشامي بلفظه عن النهر والمجتبىٰ. (ردالمحتار: ٢٦١/١)

وأما ما قلنا ثالثاً: فلما شاع في عامة كتب الفقه والحديث من منع التغني للناس ولاسيما بالاجتماع والسعي في الشوارع و الرساتيق وهوأغنى من أن يذكر له نقل ولذا نكتفي فيه ببعض الكلمات.

قال في الفتاوىٰ الخيرية من كتاب الكراهة والاستحسان (١٧٩/٢): ذكر محمد في السير الكبير عن أنس بن مالك أنه دخل علىٰ أخيه البراء بن مالك وهو يتغنى بالحديث (قوله وهو يتغنى) بظاهره حجة لمن يقول لابأس للإنسان أن يتغنى إذا كان يسمع ويونس نفسه وإنما يكره إذاكان يسمع ويونس غيره، انتهىٰ كلام الخيرية.

وبمثله قال الشامی من الحظر والإباحة وقال: وبه أخذ السرخسی وذکر شیخ الإسلام أن کل ذلک مکروه عندعلمائنا. (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ۲۴۲/۵)

وأیضاً قال فی الخیریة: لأن التغنی واستماع الغناء حرام أجمع علیه العلماء وبالغوا فیه ومن أباحه من المشائخ الصوفیة فلمن تخلی عن الهویٰ وتحلی بالتقویٰ، ثم قال: والحاصل أنه لا رخصة فی باب السماع فی زماننا لأن جنیدًا رحمه الله تاب عن السماع فی زماننا. (الفتاویٰ الخیریة: ۱۷۹/۲)

وأما ما قلنا رابعاً : فلما فی السنن الکبریٰ للبیهقی من أبی عمیربن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبی صلی الله علیه وسلم للصلاة کیف یجمع الناس لها فقیل له انصب رایة عند حضور الصلوٰة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضاً فلم یعجبه ذلک. (سنن البیهقی: ۳۹۰، دائرة المعارف)(۱)

وأما ما قلنا خامساً وسادساً : فلما قال الطیبی فی شرح حدیث الانصراف من الصلاة إلی الیمین ما نصه: فیه أن من أصرعلیٰ مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصرعلیٰ بدعة أومنکر. (۲) من مجموعة الفتاویٰ لمولانا الشیخ عبد الحیء اللکهنوی. (مجموعة الفتاویٰ: ۲۹۵/۲)

تنبیہ: یہ تمام افعال مذکورہ فی السوال چونکہ زیادہ تر ان کا مقصد بے نماز لوگوں کو نماز کی ترغیب دینا اور نمازی بنانا ہے۔ نمازیوں کو جماعت کے وقت پر مطلع کر دینا بھی اس کے ضمن میں متحقق ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ افعال ایک حیثیت سے تثویب ہیں اور ایک حیثیت سے تبلیغ۔ لہٰذا اس کو کلیۃً تثویب کا حکم بھی نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً! تثویب کے لئے بتصریح فقہا موذن ہی ہونا شرط ہے۔ یہاں تک یہ شرط نہیں، رواج تثویب کو بعض اکابر نے پسند نہیں کیا تو اس سے اس خاص طرز کا ناپسند ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن بایں ہمہ مجموعی حیثیت سے ایک تماشہ کی صورت بنا دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے اگر صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ چند آدمی تکبیر یا اور کوئی کلمہ مناسب کہتے ہوئے نکل جائیں تو مضائقہ نہیں، ڈھونگ بنانا مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمد رسول خاں عفا عنہ۔

الجواب صحیح حقیق بالاتباع والعمل ولعل الحق لایعدوه ولابد لما یفعل للعبادة أن یفعل عبادة لا تلهیاً وتلعباً۔

محمد اعزاز علی غفرلہ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مسمیٰ امداد المفتین: ۲/ ۲۷۰-۲۷۲)

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب بدء الأذان (ح: ۴۹۸)/ السنن الکبریٰ للبیهقی، باب بدء الأذان (ح: ۱۸۳۴) انیس)

(۲) شرح المشکاة الکاشف عن حقائق السنن للطیبی، باب الدعاء فی التشهد: ۱۰۵۱/۳. انیس

اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا:

سوال: بعداذان کے اگر نمازی نہ آویں تو ان کو بلالا نا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر احیاناً کسی کو بعداذان بوجہ ضرورت بلوالیں تو درست ہے۔مگر اس کی عادت ڈالنی اور ہمیشہ کا التزام نادرست ہے۔فقط(۱)(تالیفات رشیدیہ:۲۶۰)

سنت جمعہ کیلئے مؤذن کا آواز دینا ثابت نہیں:

سوال: سنت جمعہ پڑھنے کے لئے ملک گجرات کی مسجدوں میں جوایک ''**صلاة سنة قبل الجمعة**'' پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے اور بغیر ''**صلاة سنة قبل الجمعة**'' کہنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس ''**صلاة سنة قبل الجمعة**'' کا مسجد میں جمع ہو کر انتظار کرتے ہیں تا مؤذن یہ ''صلوٰۃ'' کہے تو سنت جمعہ پڑھیں۔بدیں الفاظ مؤذن پکارتا ہے ''**الصلاة سنة قبل الجمعة،الصلوٰة رحمكم الله**'' کا کہنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ اور ابتدا اس صلوٰۃ سنت کی کہاں سے ہوئی؟ اور یہ'' **صلاة سنة قبل الجمعة**'' اگر نہ کہی جاوے اور سنتیں جمعہ کی پڑھ لیں تو سنت جمعہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ ''**صلاة سنة قبل الجمعة**'' اگر کوئی نہ پکارے اور نہ کہے اور سنت قبل الجمعہ اور نماز جمعہ پڑھ لے تو غیر مقلد،نجدی،وہابڑہ بن جاتا ہے؟ اور حنفی مذہب اور اسلام سے نکل کر بے ایمان بددین ہو جاتا ہے؟ کیا تثویب جس کو فقہاء حنفیہ نے مستحسن جانا ہے وہ نمازوں کے لئے مخصوص ہے یا سنت قبل الجمعہ کے واسطے بھی صلوٰۃ مذکورہ شریعت محمدیہ میں ثابت ہے؟ معتبر کتب حنفیہ سے ثبوت اس صلوٰۃ مذکورہ کا مع دلائل شرعیہ مع نقل اصل عبارت کتب مستندہ و نام کتاب و نام مصنف کتاب وغیرہ صاف تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں؟

الجواب

''**صلاة سنة قبل الجمعة**'' پکارنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے،بلکہ جس وقت زوال ہو جائے اور اذان اول جمعہ کی ہو جائے نمازیوں کو چاہئے کہ خود سنت قبل الجمعہ ادا کرلیں اور جبکہ وقت سنتوں کا ہو جائے تو بغیر پکارے ''**الصلاة سنة قبل الجمعة،الخ**'' کے،اگر کوئی شخص سنت قبل الجمعہ پڑھ لے گا،سنت ادا ہوگئی اور اس سے غیر مقلد

(۱) من أصر علىٰ مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر علىٰ بدعة أو منكر.(شرح المشكاة الكاشف عن حقائق السنن للطيبي،باب الدعاء في التشهد:۱۰۵۱/۳.انیس)

وغیرہ نہیں بنتا، یہ جاہلوں کے خیالات ہیں اور تثویب جس کو بعض فقہا(١) نے بعض نمازوں میں بعض اشخاص کیلئے مستحب فرمایا تھا وہ فرائض کے ساتھ مخصوص ہے اور تثویب بھی متروک ہے بسبب خلاف سنت ہونے کے کہ صحابہ(٢) نے اس پر انکار فرمایا ہے۔(٣) فقط

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:١٢٧/٢-١٢٨)

اذان ثانی سے پہلے ''استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے:

سوال: وقت خطبہ کے اذان سے پہلے'' استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے؟

الجواب

وقت خطبہ کے جو اذان خطیب کے سامنے ہو، اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، البتہ اگر امام بوقت تکبیر تحریمہ ایسا کہے، تو مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:١٢٩/٢)

☆☆☆

---

(١) يعني من المتأخرين كما في الهداية وغيرها و إلا فالمتقدمون من فقهاء الحنفية منعوا عنه كما في كتب الفقه وللفاضل اللكهنوي فيه رسالة مستقلة للتحقيق العجيب في التثويب فراجعها.

(٢) كعلي وابن عمر رضي الله عنهم، كما في كتب الحديث.

(وروى عن مجاهد قال: دخلت مع عبدالله بن عمر مسجداً وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلي فيه، فثوب المؤذن، فخرج عبدالله بن عمر من المسجد وقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه. (سنن الترمذي، باب ماجاء في التثويب في الفجر(ح:١٩٨)انيس)

(وعن علي رضي الله عنه إنكاره بقوله: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد. (مرقاة المفاتيح، باب الأذان: ٥٥١/٢. انيس)

(٣) والتثويب في الفجر "حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح" بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم وغفلة وكره في سائر الصلوات ومعناه العود إلى الإعلام وهو على حسب ما تعارفوه، هذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغير أحوال الناس الخ والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية وقال أبويوسف: لا أرىٰ بأساً أن يقول المؤذن للأمير، الخ، واستبعده محمد لأن الناس سواسية في أمر الجماعة، الخ. (الهداية، باب الأذان: ٨٤/١، ظفير)

اذان کا جواب-احکام ومسائل

اجابت اذان قولاً واجب ہے یا فعلاً:

سوال: اجابت اذان قولی وفعلی دونوں واجب ہیں یا اول واجب ہے، دوسری مستحب یا عکس اس کا؟

الجواب

اجابتِ اذان قولاً مستحب ہے اور بالقدم واجب ہے۔

قال الشامی:(قوله وقال الحلوانی ندباً،الخ)أی قال الحلوانی:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم،الخ.(۱)

والتحقیق فی الشامی،وقد ذکر إشکالاً فی وجوبها ثم أجاب عنه فلینظر ثمه.(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸۶/۲-۸۷) ☆

(۱) ردالمحتار،باب الأذان،قبیل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۳٦۷/۱-۳٦۸،ظفیر

(۲) قال فی النهر:وقوله بوجوب الإجابة بالقدم مشکل،لأنه یلزم علیه وجوب الأداء فی أول الوقت وفی المسجد، إذ لامعنی لإیجاب الذهاب دون الصلاة،ومافی شهادات المجتبیٰ "سمع الأذان وانتظر الإقامة فی بیته لاتقبل شهادته مخرج علیٰ قوله کما لایخفیٰ،وقد سألت شیخنا الأخ(المرادبشیخه أخوه الشیخ زین بن نجیم صاحب البحر،منه)عن هذا فلم یبد جواباً،آه.

أقول وبالله التوفیق:ما قاله الإمام الحلوانی مبنی علیٰ ماکان فی زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تکرارها کماهوفی زمنه صلی الله علیه وسلم وزمن الخلفاء بعده،وقد علمت أن تکرارها مکروه فی ظاهر الروایة إلا فی روایة عن الإمام ورو اية عن أبی یوسف،کما قدمناه قریباً وسیأتی أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة وأنه یأثم بتفویتها اتفاقاً،وحینئذٍ یجب السعی بالقدم لا لأجل الأداء فی أول الوقت أوفی المسجد بل لأجل إقامة الجماعة وإلا لزم فوتها أصلاً،أوتکرارها فی مسجد إن وجد جماعة أخریٰ وکل منهما مکروه فلذا قال بوجوب الإجابة بالقدم،لایقال یمکنه أن یجمع بأهله فی بیته فلایلزم شیء من المحذورین،لأنا نقول إن مذهب الإمام الحلوانی أنه بذلک لاینال ثواب الجماعة وأنه یکون بدعةً ومکروهاً بلاعذر،وسیأتی فی الإمامة أن الأصح أنه لو جمع بأهله لایکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد أفضل.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۳٦۸/۱، ظفیر)

☆ زبان پر اذان کا جواب دینا مسنون اور بالقدم واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب واجب ہے یا مسنون یا مستحب، اگر واجب ہے،تو لساناً یا عملاً،توضیح مسئلہ فرما کر ممنوع فرماویں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی:عبدالقیوم ناظم مدرسہ سراج العلوم ٹیکسلا راولپنڈی-۳۰/ذی الحجہ۱۴۰۲ھ) ==

کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے:

سوال: اذان کا جواب دینا کیسا ہے، جو شخص مسجد میں موجود ہو،تو کیا اس کے لئے جواب دینا واجب ہے اور مسجد کے باہر ہو،تو اس کے لئے مستحب ہے؟ مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ ''اذان کا جواب دینا واجب ہے،اس شخص کے واسطے جو مسجد میں موجود ہے اور جو مسجد کے باہر ہے،تو اس کے واسطے مستحب ہے، جو مؤذن کہے سننے والا بھی وہی جواب میں کہے''۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ـــــــــــ حامداً و مصلياً

فقہا کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(كذا في رد المحتار: ۲۷۹/۱)(۱)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ:۴۲۲/۵)

==

الجواب ـــــــــــ

اجابت باللسان مسنون ہے اور بالقدم واجب ہے،اس شخص پر جس پر جماعت واجب ہو۔(شامیہ)

(قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة.(رد المحتار هامش الدر المختار،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۲۹٤/۱)وهو الموفق(فتاویٰ فریدیہ:۱۸۳/۲)

اجابت بالقدم واجابت باللسان:

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اذان شروع ہو جائے تو اس پر اجابت بالقدم یعنی قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے جماعت کی حاضری کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، جب کہ ایسا نہ کرنے سے جماعت فوت ہو جاتی ہو،اور اگر جماعت کے ساتھ نماز فوت نہ ہوتی ہو تو پھر واجب نہیں،اور اگر وہ مسجد میں تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت موقوف کر کے زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

(الحجة على ما قلنا: ما في التنوير وشرحه مع الشامية:(ويجيب)وجوباً،وقال الحلواني ندباً،والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)ولو جنباً لا حائضاً ونفساء...بخلاف قرآن...(ولو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة،ولو كان خارجه أجاب)بالمشي إليه(بالقدم،ولو أجاب باللسان لابه لا يكون مجيباً)وهذا(بناء على أن الإجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه)كما هو قول الحلواني،وعليه(فيقطع قراء ة القرآن لو)كان يقرأ (بمنزله،ويجيب)لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد لا)لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع على قول الحلواني،وأما عندنا فيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً،والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول".

قال المحقق ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة،وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية في المسجد أو بيته لا تجب،بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة في المسجد بلا تكرار،هذا ماظهر لي.(۲/ ٦٥-٦٩،كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد)(اہم مسائل:۵٦/٦)

(۱) "يجب على السامعين عند الأذان الإجابة: وهي أن يقول مثل ما قال المؤذن، ==

اذان کا جواب دینا سنت ہے:

سوال: جب مؤذن اذان پڑھتا ہے، تو اذان کے الفاظ دہرانا اور بعد میں دعا کا پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور نہ پڑھنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

(المستفتی نمبر:١٦٧٣، فقیر سید منور علی صاحب (ہمت نگر) ٦/جمادی الثانی ١٣٥٦ھ،م ١٤/اگست ١٩٣٠ء)

الجواب

اذان کے وقت اذان کے الفاظ کو دہرانا اور "**حی علی الصلاة**"، "**حی علی الفلاح**" کی جگہ "**لاحول ولا قوة إلا باللّٰه**" کہنا اور ختم اذان کے بعد "**اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة،الخ**" دعا پڑھنا سنت(١) ہے، نہ پڑھنے سے ترک سنت ہوگا۔(٢)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:٥٤/٣)

== إلا في قوله:"حي على الصلاة"،"حي على الفلاح"،فإنه يقول مكان "حي على الصلاة" "لاحول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم"،ومكان قوله"حي على الفلاح""ما شاء اللّٰه كان ومالم يشأ لم يكن"،كذا في محيط السرخسي.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثاني في الأذان،ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ٥٧/١،رشيدية)

لیکن راجح قول یہ ہے کہ جو آدمی مسجد میں موجود ہو، اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔(رد المحتار،كتاب الصلوٰة،باب الأذان،قبيل باب شروط الصلاة: ٤٠٠/١،دار الكتب العلمية،بيروت.انيس)

(١) یہاں سنت سے مراد مستحب ہے۔انیس

(٢) (ويجيب)وجوبًا،وقال الحلواني:"ندبا"والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)بأن يقول بلسانه كمقالته إلا الحيعلتين فيحوقل وفي"الصلوٰة خيرمن النوم"فيقول:"صدقت وبررت".ويدعوعند فراغه بالوسيلة لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.(تنوير الأبصار مع الدر المختار على صدر رد المحتار،باب الأذان: ٣٩٦/١-٣٩٨،ط:سعيد)

عن عبداللّٰه بن علقمة بن وقاص قال:إني لعند معاوية إذا أذن مؤذنه فقال معاوية:كما قال مؤذنه حتى إذاقال:حي على الصلاة،قال:لاحول ولاقوة إلا باللّٰه ولماقال:حي على الفلاح،قال:لاحول ولاقوة إلا باللّٰه (ولاحول ولا قوة إلا باللّٰه، قيل معناه لاحول عن المعصية ولاقوة على الطاعة إلا بتوفيق اللّٰه وقيل الحول الحركة تقول حال الشخص إذا تحرك فالمعنى لاحركة ولااستطاعة إلا بمشية اللّٰه وقيل الحول والحيلة والاحتيال والتحيل الحذق وجودة النظروالقدرة على دقة التصرف أي لا إجادة للعمل ولا قدرة للإنسان عليه إلا بمعونة اللّٰه وقدفهم من هذا أن السنة أن يتابع السامع المؤذن فيمايقول إلافي الحيعلتين فله أن يتابعه بدل ماقال المؤذن لاحول ولاقوة إلا باللّٰه وهكذا مذهب الحنفية)ثم قال بعد ذلك ما قال المؤذن،ثم قال:سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول ذلك.(مسند الشافعي بترتيب السندي،الباب الثاني في الأذان (ح:١٨٢)

قال العيني بعد ذكرحديث إذاسمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن،الخ: ... ثم الذي يستفاد من عموم هذاالحديث أن يقول من يسمع الأذان مثل مايقول المؤذن حتى يفرغ من أذانه كله ==

اذان کے جواب کا استحباب:

سوال: جو آدمی مسجد میں ہوں ان پر جواب اذان کا واجب ہے یا مستحب؟

الجواب

مستحب ہے۔

فی الدر المختار: (ولو بمسجد لا) لأنه أجاب بالحضور، الخ. ورجح الاستحباب فی رد المحتار. (۱)

(تتمہ اولیٰ صفحہ: ۳۴ ر ج: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱٦۹)

کیا اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز کس طرح دیں:

سوال: جب مؤذن نماز کے لیے اذان دیتا ہے، تو ہمیں اذان کا جواب دینا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب

زبان سے اذان واقامت کا جواب دینا مستحب ہے، جو کلمات مؤذن کہتا ہے، انہی کلمات کو جواب دینے والا بھی دہرائے اور "**حی علی الصلاۃ**" اور "**حی علی الفلاح**" کے جواب میں "**لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ**" کہا جائے۔ فجر کی اذان میں "**الصلاۃ خیر من النوم**" کے جواب میں "**صدقت وبررت**" کہا جائے، اور اقامت میں "**قد قامت الصلاۃ**" کے جواب میں "**أقامها اللّٰہ وأدامها**" کہا جائے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۰)

== وهو مذهب الشافعي وعند أصحابنا يقول مثل ما يقول المؤذن في التكبير والشهادتين ويقول في الحيعلتين: لاحول ولاقوة إلاباللّٰه، لحديث عمر كمايجي ... وقالوا: إن حديث أبي سعيد الخدري مخصوص بحديث عمر رضي اللّٰه عنه. (شرح سنن أبي داؤد للعيني، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ٢/٤٧٨) انيس)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص أنه سمع النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى اللّٰه عليه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة ولاتنبغي إلا لعبد من عباد اللّٰه وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٤) انيس)

(۱) والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية في المسجد أو بيته لاتجب بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة في المسجد بلا تكرار هذا ما ظهر لي. (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ١/٣٩٩، دار الكتب العلمية، بيروت ـ انيس)

(۲) وفي فتاوى قاضيخان: إجابة المؤذّن فضيلة وإن تركها لايأثم ... وفي المحيط: يجب على السامع للأذان الإجابة ويقول مكان حي على الصلاة: "لا حول ولا قوة إلا باللّٰه"، وكذا إذا قال "الصلاة خير من النوم" فإنه يقول: "صدقت وبررت" ... وفي غيره أنه يقول إذا سمع "قد قامت الصلاة": "أقامها اللّٰه وأدامها". (البحر الرائق: ١/٢٧٣، باب الأذان) ==

اذان کا جواب:

سوال: اذان کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا خواتین پر بھی اذان کا جواب دینا فرض ہے؟

(مہر سلطانہ، باغ جہاں آرا)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم بھی کہو''۔(۱)

البتہ بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''**حی علی الصلاۃ**'' اور ''**حي علی الفلاح**'' کے جواب میں '' **لاحول و لا قوۃ إلا باللّٰہ**'' کہا جائے''۔(۲)

بعض اہل علم کے نزدیک اذان کا جواب دینا اس حدیث کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اکثر فقہا کے نزدیک زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے نہ کہ واجب، جواب دے تو ثواب ہوگا اور جواب نہ دے تو گناہ بھی نہ ہوگا، البتہ جن لوگوں پر نماز واجب ہے ان کے لئے اپنے عمل سے اذان کا جواب دینا یعنی چل کر مسجد جانا واجب ہے۔(۳)

اور حدیث میں زبان سے جواب دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ استحباب کے درجہ کا حکم ہے۔اس لئے زبان سے جواب دینا نہ مردوں پر فرض ہے اور نہ عورتوں پر، اور مستحب مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انے مردوں کے ساتھ مخصوص کر کے یہ حکم نہیں دیا ہے، دوسرے اذان کے جواب کا مقصد اللہ تعالی سے اطاعت اور احکام خداوندی سے وفا شعاری کا اظہار ہے، جیسا کہ حج میں تلبیہ کا مقصد ہے اور ظاہر ہے مسلمان مرد ہو یا عورت، ہر ایک کو حکم خداوندی کے سامنے سر جھکانے کا اظہار کرنا چاہئے۔(۴)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۳-۱۳۴)

== عن أبي أمامة أوعن بعض أصحاب النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أن بلالاً أخذ في الإقامة فلما أن قال: قدقامت الصلاۃ قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم:أقامهااللّٰہ و أدامها، ... یستفاد من الحدیث فائدتان: یستحب أن یقال عند الإقامة مثل ما یقول المؤذن،إلا في الحیعلتین یقول فیهما:لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ،کما في الأذان، والثانیة:یستحب أن یقال عند قوله '' قد قامت الصلاۃ '' : '' أقامها اللّٰہ وأدامها ''.(شرح أبي داؤد للعیني،باب ما یقول إذا سمع المؤذن :۲/۴۹۰- ۴۹۱ (ح:۵۱۰)انیس)

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۰۸، باب مایقول إذا أذن المؤذن ،نیز دیکھئے:صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۱،صحیح مسلم،حدیث نمبر:۸۴۸،سنن ابی داؤد،حدیث نمبر:۵۲۲۔محشی

(۲) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۳،باب ما یقول إذا سمع المنادی،الصحیح لمسلم،حدیث نمبر:۸۵۰،باب استجاب القول مثل قول المؤذن،الخ۔محشی

(۳) دیکھئے! الکبیری شرح منیة المصلی:۳۶۳.

(۳) دیکھئے! الترغیب والترهیب:۱/۱۱۵.انیس

تہجد اور اذان کا جواب مستحب ہے:

سوال: تہجد سنت مؤکدہ ہے یا مستحب اور جواب اذان اور دعا بعد اذان اور سننا اذان کا واجب ہے، یا کیا؟

الجواب

تہجد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مؤکدہ اور بعض کے نزدیک مستحب اور اذان کا سننا مستحب اور اس کا جواب بھی مستحب [ہے]۔(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ٥٦) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:١٤٢)

اذان کا جواب اور دعا:

سوال: وقتِ اذان حکم در حدیث ایجاب بود حالانکہ دریں زمان بعد ختم اذان کلمہ طیبہ می گویند چہ حکمِ شرعی است؟(٢)

الجواب

بوقتِ اذان سامعین را مستحب است کہ ہماں کلمات را کہ مؤذن می گوید سامعین ہم می گویند و در حیعلتین "**لا حول ولا قوة إلا بالله**" گویند و بعد ختمِ اذان دعاءِ ماثورہ "**اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة، الخ** بگویند و ظاہر است کہ اتباعِ ماثور اولیٰ واحب است۔(٣) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/٩٧)

(١) احادیث میں اذان کا جواب کسی خاص وقت کی اذان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔اس لیے تہجد کی اذان کا جواب دینا بھی مستحب ہوگا۔

عن أبی سعید الخدری أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن. (سنن أبی داؤد، باب مایقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٠٤)/ الصحیح للبخاری، باب الأذان، باب مایقول إذا سمع المنادی (ح: ٦١١)/ الصحیح لمسلم، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ٣٨٣)/ سنن الترمذی، باب مایقول الرجل إذا أذن المؤذن (ح: ٢٠٨)/ سنن ابن ماجة، باب مایقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧٢٠) انیس)

(٢) خلاصۂ سوال: اذان کے وقت حدیث میں حکم اذان کا جواب دینا ہے، حالانکہ اس زمانے میں لوگ اذان ختم ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، حکمِ شرعی کیا ہے؟ انیس

(٣) خلاصۂ جواب: اذان کے وقت سامعین کے لئے مستحب ہے کہ مؤذن جو کلمات کہے وہی کلمات وہ کہیں، اور حیعلتین میں "لا حول ولا قوة إلا باللّٰه" کہیں، اور اذان کے ختم کے بعد دعاء ماثورہ "اللّٰهم رب هذه الدعوة، الخ پڑھیں اور ظاہر ہے کہ منقول کی اتباع زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔انیس)

(ویجیب) وجوباً، وقال الحلوانی: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان)، الخ بأن یقول بلسانه کمقالته، الخ إلا فی الحیعلتین فیحوقل وفی "الصلوٰة خیر من النوم" فیقول "صدقت وبررت" الخ ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (الدر المختار) ... وروی البخاری وغیره: من قال حین یسمع النداء "اللّٰهم ربَّ هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰتِ محمدًا الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودًا ن الذی وعدتَّه" حلت له شفاعتی یوم القیامة، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ١/ ٣٦٧-٣٧٠، ظفیر) ==

اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے:

سوال: اذان جس وقت ہو اور کسی جگہ دس پانچ آدمی بیٹھے ہوں، تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب

نہیں۔لعدم دلیل علیه.(١)

(تتمہ اولیٰ،ص:٣٤،ج:١)(امداد الفتاویٰ جدید:١٦٨/١-١٦٩)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کیلئے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں، بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن ميمونة.رضى الله عنها.أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال و النساء فقال:"يا معشر النساء إذا سمعتن أذان هذا الحبشى وإقامته فقلن كما يقول؛فإن لكُنّ بكل حرف ألف ألف درجة".قال عمر:فهذا للنساء يارسول الله!فما للرجال؟ قال:"ضعفان يا عمر".(الترغيب و الترهيب:١/ ١١٥، الترغيب فى إجابة المؤذن)(٢)(فتاویٰ حقانیہ:٦٧/٣)

== عن عبدالله بن مسعود أنه قال:إن من الجفاء أربعة: أن يسمع المؤذن يقول:الله أكبر،الله أكبر،أشهد أن لا إله إلا الله،أشهد أن لا إله إلا الله ، فلايقول مثل مايقول وأن يمسح وجهه قبل أن يقضى صلاته وأن يبول قائمًاوأن يصلى وليس بينه وبين القبلة شيء يستره .(المعجم الكبير للطبرانى،باب (ح:٩٥٠١)انيس)

(١) کسی ایک آدمی کا اذان کا جواب دینا کافی نہیں ہوگا، بلکہ ہر شخص کو علاحدہ علاحدہ جواب دینا مستحب ہے۔حدیث میں ہے:

عن أبى سعيد الخدرى.رضى الله عنه.أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن".(الصحيح لمسلم،باب استحباب القول مثل قول المؤذن و الصلوٰة على النبى وسؤال الوسيلة له(ح:٣٨٣)/سنن ابن ماجة،باب ما يقال إذا أذن المؤذن،كتاب الأذان،السنة فيه (ح:٧٢٠)

إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله(أى إلا فى الحيعلتين فيأتى بِ"لاحول ولاقوة إلا بالله" لحديث عمروغيره فهو عام مخصوص وهذا هوالذى يؤيده فى المعنى؛لأن إجابة "حى على الصلوٰة"بمثله يعد استهزاءً وهذا التخصيص قد صرح به علماء نا الحنفية أيضًا فيمكن أن يقال مثل هذا التخصيص ممايؤيده العقل والنقل جميعاً.(حاشية السندى علىٰ سنن ابن ماجة،١/ ٢٤٥،دارالجيل، بيروت.انيس)

(٢) قال العلامة عبد الحيء اللكهنوى:قلت يستنبط منه أن الإجابة باللسان واجبة على النساء الطاهرات أيضًا وهو ظاهرعبارات فقهائنا.(السعاية،باب الأذان:٥١/١) ==

عورت اذان کا جواب کب دے:

سوال: کیا عورتوں کو بھی اذان کا جواب دینا چاہیے؟

الجواب

جی ہاں! مگر حیض ونفاس والی جواب نہ دیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۱۷)

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے:

سوال: کیا خواتین حالت حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: لایجیب الجنب ولا الحائض لعجزهما عن الإجابة بالفعل. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی، باب الأذان:١٦٣) (۲) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۶۷-۶۸)

جنبی کو جوابِ اذان جائز ہے یا نہیں:

سوال: درحالت جنابت اجابت اذان جائز است یا نہ؟ (۳)

الجواب

فی الدر المختار: (ویجیب)...(من سمع الأذان) ولو جنباً، الخ.

یعنی ہر کہ اذان بشنود اجابت کند اگرچہ جنبی باشد، (۴) **وعلله فی الشامی: بأن إجابة الأذان لیست بأذان، بحر عن الخلاصة.** (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۸۶)

== أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، العالیة بنت سبیع عن میمونة (ح:٢٨) انیس

(۱) (ویجیب)...(من سمع الأذان)... لاحائضًا ونفساء. (الدر المختار)

وفی الشامیة: (قوله لاحائضًا ونفساء) لأنهما لیسا من أهل الإجابة بالفعل فکذا بالقول...إلخ. (رد المحتار: ٣٩٦/١، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد)

وفی المجتبیٰ فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة واستماع خطبة الجمعة وثلاث خطب الموسم والجنازة وفی تعلم العلم وتعلیمه والجماع والمستراح وقضاء الحاجة والتغوّط، قال أبوحنیفة: لا یثنی بلسانه وکذا الحائض والنفساء لایجوز أذانهما وکذا ثناؤهما، آه. (البحر الرائق، إجابة المؤذن: ٢٧٤/١. انیس)

(۲) قال العلامة عبد الحیء اللکهنوی: لایجیب الحائض والنفساء بعجزهما عن الإجابة بالفعل فکذا بالقول. (السعایة، باب الأذان: ٥١/٢) ==

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جنبی اور محتلم آدمی اذان کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ علما سے سنا ہے کہ اذان نہیں پڑھ سکتا ہے، کیا جواب اذان بھی نہیں دے سکتا؟ (محمد ادریس ٹوبہ ٹیک سنگھ)

الجواب

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہیے۔

ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛لأن إجابة الأذان ليس بأذان آه. (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۵) كذا فی الشامية: ۱/۲۹۲، باب الأذان، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد) **فقط واللّٰہ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۴۰۲/۲/۱۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

ٹی وی، ریڈیو والی اذان کا جواب دینا:

سوال: ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر جو اذانیں ہوتی ہیں، تو کیا ان کو سن کر اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے؟

الجواب

ٹی وی اور ریڈیو پر ہونے والی اَذان، اذان نہیں، بلکہ اذان کی آواز ہے، جسے ٹیپ کرلیا جاتا ہے اور اذان کے وقت وہی ٹیپ لگادی جاتی ہے، اس لیے اس کا حکم اذان کا نہیں، لہٰذا اس کا جواب بھی مسنون نہیں۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۹)

اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا ضروری ہے یا نہیں:

سوال: سنا ہے کہ اذان ہونے پر جو شخص مسجد میں نہ جاوے تو گنہگار رہے، اگر دوسرے شخص کے تاکید کرنے سے بھی وہ نماز کو نہ جاوے تو کافر ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

==(۳) خلاصۂ سوال: جنابت کی حالت میں اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اگر جنبی شخص اذان سنے تو وہ بھی اذان کا جواب دے، کیونکہ اذان کا جواب دینا اذان کے حکم میں نہیں ہے، جیسا کہ درمختار وشامی میں ہے۔انیس

(۵) ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد: ۱/ ۳٦۷-۳٦۸، ظفير

حاشیہ صفحہ ھذا

(۱) وأما أذان الصبی الذی لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأنّ ما يصدر لا عن عقل لا يعتد به كصوت الطيور. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل فی بيان سنن الأذان)

الجواب ــ

اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص اذان سن کر مسجد میں نہ جاوے اور باجماعت نماز ادانہ کرے وہ بھی گنہگار ہے۔(۱) اور اگر بالکل ہی تارک نماز ہے کہ نہ مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر نماز ادا کرتا ہے تو وہ اشد درجہ کا فاسق وعاصی ہے اور بعض ائمہ اس کو کافر کہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''من ترک الصلاۃ متعمدًا فقد کفر''. (۲)

یعنی جس نے قصدًا نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا یعنی قریب کفر کے ہوگیا اور انکار کرنا فرضیت نماز کا باتفاق کفر ہے۔ **(أعاذنا اللّٰہ تعالیٰ منه)** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۲/۲)

اذان سن کر مسجد نہ جانا کیسا ہے:

سوال: **ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اذان سن کر جو مسجد میں نہ آیا، اس نے اپنی ماں کے ساتھ ہزار بار زنا کیا۔ یہ امر کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا عذاب ہے اذان سن کر مسجد نہ آنے کا؟**

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مولوی صاحب کا یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے، لیکن ہاں! جو شخص اذان سن کر بلا وجہ شرعی مسجد میں جاکر نماز نہ پڑھے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی-۱۳/۵/۱۳۴۵ھ- (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۱/۲)

---

(۱) الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام: الجماعة من سنن الهدىٰ لايتخلف عنها إلامنافق. (الهداية، باب الإمامة: ١ / ١٠٩، ظفير)

قال عبداللّٰه: لقد رأيتنا ومايتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أومريض إن كان المريض ليمشى بين رجلين حتى يأتى الصلاة وقال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم علمنا سنن الهدىٰ وإن من سنن الهدىٰ الصلاة فى المسجد الذى يؤذن فيه. (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة (ح: ٦٥٤) انيس)

(۲) فيض القدير، حرف الميم: ١٠٢/٦، میں یہ حدیث طبرانی کی معجم اوسط سے منقول ہے اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:
''من ترک الصلوٰة متعمدًا فقد برأت منه ذمة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم''

المعجم الأوسط، من اسمه جعفر (ح: ٣٣٤٨) بلفظ: من ترک الصلاة متعمدًا فقد كفر جهارًا، آه/مسند الإمام أحمد، حديث معاذ بن جبل (ح: ٢٢٠٧٥) بلفظ: ولاتتركن صلاة مكتوبة متعمداً فان من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة اللّٰه، آه. (انيس)

(۳) عن أبى هريرة قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ''والذى نفسى بيده لقد هممت أن آمر بحطب فيُحطب ثم آمر بالصلوٰة فيؤذن لها ثم آمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف إلىٰ رجال وفى رواية: لايشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم'' الخ. (مشكوٰة المصابيح: ٩٥/١، مجاهد)

==

اذان سن کر مسجد نہ جانے والا کیا کافر ہے:

سوال: زید نے نماز کی اذان سنی نماز کے لئے جانے میں دو چار منٹ کی دیر ہوگئی، زید نے بکر سے کہا کہ میں تو کافر ہوگیا ہوں، بکر نے کہا کہ کیوں زید نے جواب دیا؛ اس لئے کہ میں اذان سنکر فوراً نماز پڑھنے نہیں گیا۔ دریافت یہ ہے کہ زید کافر ہوا یا کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

لغو جملہ بول گیا؛ جو ہرگز نہ بولنا چاہئے، لیکن کافر نہیں ہوا ہے۔ آئندہ ایسے جملہ بولنے سے احتیاط واجب ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔ ۱۳۸۵/۹/۱۹ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۲۵/۱)

اذان کے بعد مسجد سے جانا:

سوال: بلا عذر شرعی کے بعد اذان مسجد سے نکلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جو شخص مسجد کی حدود کے اندر ہو، اس کے لئے اذان کے بعد بلا ضرورت شدیدہ نکلنا مکروہ ہے، البتہ اگر واپس آ کر اسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ اگر مسجد کی شرعی حدود سے باہر ہے یا مسجد کے اندر تنہا ہو تو بھی چلے جانا بلا کراہت جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۱/۲)

== صحيح البخاري، أبواب صلوٰة الجماعة و الإمامة، باب وجوب صلوٰة الجماعة (ح: ٦١٨) / وفي رواية مسلم: "فقد ناسًا في بعض الصلوات فقال: " لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ثم أخالف الٰى رجال يتخلفون عنها فآمربهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب". (باب فضل صلوٰة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، وفي رواية أبي داؤد في باب في التشديد في ترك الجماعة (ح: ٥٤٨) بلفظ: لايشهدون، الخ. انيس)

(۱) وقال: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ﴾ (سورة القصص: ٥٥) يعني الكفر والكلام القبيح. (أحكام القرآن للجصاص، ت: قمحاوي، في تفسير سورة البقرة: ٤٣/٢، انيس)

(۲) (وكره خروجه من مسجد أذن فيه) أو في غيره (حتى يصلي) لقوله صلى الله عليه وسلم: لايخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع (إلا إذا كان مقيم جماعة أخرىٰ) كإمام ومؤذن لمسجد آخر لأنه تكميل معنى (وإن خرج بعد صلاته منفرداً لايكره) لأنه قد أجاب داعي الله مرة فلايجب عليه ثانياً (إلا) أنه يكره خروجه... لأن من صلى وحده ارتكب الكراهة، بحر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب إدراك الفريضة: ٤٥٧/١. انيس)

اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے، اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، لوگ پہلی مسجد میں آکر وضو کرتے ہیں، سنت پڑھتے ہیں، اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لئے دوسری مسجد میں جہاں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، چلے جاتے ہیں، دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آجاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں، کیا ان لوگوں کا طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ، واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں، یا اذان ہوجانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں، ان کے لئے نماز ادا کرنے سے پہلے بلاضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما في الحديث: عن أبي هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:" أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم إذا كنتم في المسجد فنودى بالصلاة فلايخرج أحدكم حتىٰ يصلى". (رواه أحمد)(۱)

عن أبي الشعثاء رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه، فقال أبوهريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى اللّٰه عليه وسلم. (رواه مسلم)(۲)

عن عثمان بن عفان رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "من أدركه الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لايريد الرجعة فهو منافق". رواه ابن ماجة. (مشكوة: ۹۷/۱)(۳)

وفي الدرالمختار، باب إدراك الفريضة: (وكره) تحريمًا.

للنهي (خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه) ... (إلا لمن ينتظم به أمر جماعة أخرىٰ) ... و(لمن صلى الظهر والعشاء) وحده (مرة) فلا يكره خروجه بل تركه للجماعة (إلا عند) الشروع في (الإقامة) فيكره لمخالفة الجماعة بلا عذر. (۴)

(۱) كما في ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۵۴/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچى (أخرجه الإمام أحمد في مسنده من مسند أبي هريرة (ح: ۱۰۹۳۴)/والجعد في مسنده، شريک عن أشعث بن أبي الشعثاء (ح: ۲۲۴۸) انيس)

(۲) مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه مسلم في صحيحه، باب النهي عن الخروج من المسجد (ح: ۶۵۵)/وابن ماجة في سننه، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلاتخرج (ح: ۷۳۳) انيس)

(۳) مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه ابن ماجة في سننه، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلاتخرج (ح: ۷۳۴) انيس)

(۴) الدرالمختار، مطلب في كراهة الخروج من المسجد بعدالأذان: ۵۴/۲ـ۵۵، طبع ايچ ايم سعيد، كراچى

وفی الكنز،ص: ٣٦:"وكره خروجه من مسجد أذن فيه حتىٰ يصلي وإن صلى لا، إلا في الظهر والعشاء إن شرع في الإقامة"الخ.(۱)

وفی فتح المعين:"(كره خروجه،الخ)تحريمًا لقوله عليه السلام:"لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع وقوله أذن فيه أی علی الغالب والمراد دخول الوقت أذن فيه أولا ولا فرق بين ما أذن وهوفيه أودخل بعد الأذان،وقالوا:إذاكان ينتظم به أمرجماعة بأن كان مؤذناً أوإماماً فی مسجد آخرتتفرق الجماعة لغيبته يخرج بعد النداء؛لأنه ترک صورة تكميل معنى.(۲)

وفی النهاية:إذا خرج يصلی فی مسجد حيّه مع الجماعة فلا بأس به مطلقاً من غيرقيد بالإمام والمؤذن فلايخفىٰ مافيه إذ خروجه مكروه تحريمًاوالصلاة فی مسجد حيه مندوبة فلا يرتكب المكروه لأجل المندوب بخلاف الخروج لحاجة إذاكان على عزم العود؛لأنه مستثنىٰ بنص الحديث.(۳)

ان احادیث اورفقہی جزئیات سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں ان لوگوں کے لئے پہلی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے،(البتہ اگران لوگوں میں کوئی دوسری مسجد کا مؤذن یاامام ہوجووہاں جا کر جمعہ قائم کرتا ہو،ان کے لئے نکلنا جائز ہے)لہٰذا یہ لوگ پہلی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں کہ اس مسجد کا ان پر حق ہے اورثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔

"أفضل المساجد مكة ، ثم المدينة ، ثم القدس، ثم قبا ، ثم الأقدم ، ثم الأعظم ، ثم الأقرب،الخ".(الدرالمختار)(۴)واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۳۷-۸۳۹)

---

(۱)　كنزالدقائق،باب إدراک الفريضة،ص: ٣٦،طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ

(۲-۳)　كذا فی الدرالمختار،باب إدراک الفريضة،مطلب فی كراهة الخروج من المسجد بعدالأذان: ٥٤/٢،دارالفكر.انیس

(ومن دخل مسجداً قد أذن فيه)فيه تفصيل:وذلک أن من دخل مسجداًقدأذن فيه،فإما أن يكون قدصلى أو لا؟فإن لم يصل فإما أن يكون مسجدحيه أو لا؟فإن كان كره له أن يخرج قبل الصلاة لأن المؤذن دعاه ليصلی فيه،وإن لم يكن فإن صلى فی مسجد حيه فكذلک،لأنه صاربالدخول فيه من أهله،وإن لم يصل فيه فهو يخرج لأن يصلی فيه لا بأس به؛لأن الواجب عليه أن يصلی فی مسجد حيه.(العناية شرح الهداية،باب إدراک الفريضة: ٤٧٤/١/وكذا فی البناية شرح الهداية،باب إدارک الفريضة: ٥٦٨/٢-انیس)

(۴)　الدرالمختار،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب فی أفضل المساجد: ٦٥٨/١،ط:ایچ ایم سعید، کراچی

اذان کے وقت ریڈیو بلند آواز سے لگانے والے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ ہوش وحواس کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن جب اذان شروع ہو جاتی ہے تو وہ ریڈیو کو بلند آواز سے لگا تا ہے اور ریڈیو بند کرنے کو جب کہا جا تا ہے تو انکار کرتا ہے، نیز نماز کے لئے بلا کر بھی انکار کرتا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید غلام حیدر شاہ......١٠/١٠/١٩٨٩ء)

الجواب

ایسے شخص کے ساتھ ترک موالات کرنا چاہئے،(١) کیونکہ حکم شرعی (حبس دائم) ہمارے بس میں نہیں ہے۔ **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:٢/٢٠٦-٢٠٧)☆

(١) قال العلامة ابن حجر العسقلاني:فتبين هنا السبب المسوغ للهجروهولمن صدرت منه معصية ويسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها...قال المهلب:غرض البخارى فى هذا الباب أن يبين صفة الهجران الجائزوأنه يتنوع بقدرالجرم،فمن كان من أهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمة كما فى قصة كعب وصاحبيه...وقال الطبرى:قصة كعب بن مالك.رضى الله عنه.أصل فى هجران أهل المعاصى.(فتح البارى شرح صحيح البخارى،باب ما يجوزمن الهجران لمن عصىٰ:١٣/٥٩٨)

☆ **اذان کے بعد اِدھراُدھر کھڑے ہوکر باتیں کرنا:**

مسئلہ: اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، کیونکہ عام مشائخ کے نزدیک نماز باجماعت واجب ہے۔(الحجة علىٰ ما قلنا:مافى بدائع الصنائع:أما الأول فقد قال عامة مشائخنا:إنها واجبة...وجه قول العامة الكتاب،والسنة وتوارث الأمة،أما الكتاب فقوله تعالىٰ:﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾(سورة البقرة: ٤٣).أمر الله تعالىٰ بالركوع مع الراكعين،وذلك يكون فى حالة المشاركة فى الركوع،فكان أمرًا بإقامة الصلاة بالجماعة،ومطلق الأمرلوجوب العمل. (آیت مذکورہ میں''اركعوا''صیغۂ امر مطلق ہے،اور مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے،مرتب)وأما السنة:فماروى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:"لقد هممتُ أن آمرًا رجلاً يصلى بالناس، فأنصرف إلىٰ أقوام تخلفوا عن الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم".ومثل هذا الوعيد لايلحق إلابترك الواجب.وأما توارث الأمة:فلأن الأمة من لدن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلىٰ يومنا هذا واظبت عليها،وعلىٰ النكيرعلىٰ تاركها،والمواظبة علىٰ هذا الوجه دليل الوجوب، آه. (یعنی جولوگ نماز باجماعت نہیں پڑھتے، میرادل چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں کوجلادوں،اوراس طرح کی سخت وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔مرتب)(١/٣٨٤،كتاب الصلاة،صلاة الجماعة وأحكامه: ١/٦٦١-٦٦٢، فصل فيما يجب علىٰ السامعين)

اور ہر ایسا کام جو ترکِ واجب کا سبب ہو وہ مکروہِ تحریمی ہوتا ہے،اس لئے اذان کے بعد اِدھراُدھر کھڑے ہوکر،اس طرح باتوں میں مشغول ہونا کہ نماز باجماعت چھوٹ جائے،شرعاً مکروہِ تحریمی ہے۔(ما فى البحر الرائق:عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت:"إذا سمع الأذان فما عمل بعده فهوحرام".(١/٥١٤،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٥١٢)(اہم مسائل:١/٣٢)

کیا اذان کا جواب دینے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے:

سوال: اذان کا جواب دیتے وقت وضو میں ہونا ضروری ہے کہ نہیں؟

الجواب

باوضو جواب دینا افضل ہے، بے وضو جائز ہے۔(١) (آپ کے مسائل اوران کا حل:٣١٠/٣)

جمعہ کی اذان کا جواب وغیرہ کے احکام:

سوال: جمعہ کی اذان کا جواب دینا اورختم پراذان کی دعا پڑھنا، **أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه**، پرشہادت کی انگلی چومنا اورآنکھوں پرلگانا، اوراذان کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

هو المصوب

جمعہ کی اذان اول کا جواب دینا مستحب ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن". (٢)

اذان ثانی کا جواب نہیں دینا چاہئے۔(٣) کلمۂ شہادت پرانگلی چومنا اوراس موقعہ پر درود شریف پڑھنا ثابت ہے، اس کا التزام ثابت نہیں ہے۔(٤)

تحریر: محمد اختر جمال ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:٣٧٩/١-٣٨٠)

---

(١) کیوں کہ بے وضو جب اذان دینا جائز ہے، تو اذان کا جواب دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔(وينبغي أن يؤذن ويقيم على الوضوء)فإن ترك الوضوء في الأذان جازوهو الصحيح لأنّه ذكروليس بصلاة فلا يضره تركه.(الجوهرة النيرة: ٤٤، باب الأذان، طبع دهلي)

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة،باب ما يقول إذا سمع المنادي،رقم الحديث: ٦١١-

(٣) قوله:وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام،لمارواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر رضي الله عنهم كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام وقول الصحابي حجة ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد يستلزمه.(البحرالرائق:٢٧٠/٢)

وينبغي أن لايجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب وأن يجيب بقدمه اتفاقاً في الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعي بالنص.(الدرالمختارعلى صدرردالمحتار،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١)

(٤) إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن،رقم الحديث: ٣٨٤)

جمعہ کی دوسری اذان کا جواب:

سوال: جمعہ کے روز منبر کے روبرو جو اذان کہی جاتی ہے اس کے جواب دینے کو درمختار نے مکروہ لکھا ہے، مگر اس کے حاشیہ ردالمحتار یعنی شامی اور طحطاوی وغیرہ فقہاء محققین نے ترجیح دی ہے یا کہ اس کے خلاف جواب دینے کا استحباب ثابت کیا ہے اور ترجیح وتائید جواب دینے کو دی ہے؟

الجواب

أقول: لكن في الشامي، باب الجمعة: والظاهر أن مثل ذلك يقال أيضًا في تلقين المرقى الأذان للمؤذن والظاهر أن الكراهة على المؤذن دون المرقي لأن سنة الأذان الذى بين يدى الخطيب تحصل بأذان المرقي فيكون المؤذن مجيبًا لأذان المرقي وإجابة الأذان حينئذ مكروهة، الخ. (ردالمحتار: ١/٥٥١) (١)**وفيه أيضاً وذكر الزيلعي أن الأحوط الإنصات.**

حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۱) ☆

جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت اور مناجات مکروہ تحریمی ہے، کوئی کہتا ہے مکروہ تنزیہی ہے، کوئی کہتا ہے بدعت ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مستحب ہے۔ لہذا عرض پرداز ہوں کہ کونسی بات صحیح ہے، معہ ادلہ تحریر فرماویں گے؟

---

(١) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدى الخطيب: ١/٧٦٩، ظفير

☆ **جمعہ کی اذان ثانی کا جواب:**

سوال: ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو امام کے سامنے کھڑے ہو کر کہی جاتی ہے اس کا جواب صرف امام ہی کو دینا چاہئے، سامعین کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(احمد سعید احمد صابری، منجر یال)

الجواب

آپ کے دوست نے صحیح رہنمائی کی ہے، خطیب کے سوا کسی اور شخص کو زبان سے اذان کا جواب نہیں دینا چاہئے، فقہا نے لکھا ہے کہ خواہ کوئی بھی خطبہ ہو، خطبہ کے درمیان سامعین اذان کا جواب نہ دیں۔

" لاحائضًا و نفساء وسامع خطبة ... أي خطبة كانت ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ١/٣٩٦ـ انیس) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۴۰)

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا مختلف فیہ ہے، صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحبؒ کے قول میں مختلف روایات ہیں، ایک روایت سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور ایک روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور طحطاوی نے اس کا اصح ہونا نقل کیا ہے اور امام صاحبؒ سے جو یہ قول مشہور ہے کہ خروج امام قاطع صلوٰۃ وکلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج امام قاطع کلام الناس ہے، اور قاطع سائر الکلام خطبہ کا شروع ہوجانا ہے، پس ابتداء خطبہ سے پہلے کلام دینی یعنی تسبیح وجواب اذان جائز ہے۔

وبه وردت الأحاديث ناطقة كما ذكرته في إعلاء السنن فعن أبي هريرة مرفوعاً خروج الإمام يوم الجمعة للصلوٰة يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام.(أخرجه البيهقي وسنده حسن)(١)

وعن ابن شهاب عن ثعلبة ابن مالك القرظي أنه أخبره (أي ابن شهاب) أنهم كانوا في زمن عمربن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمرفإذاخرج عمر وجلس على المنبروأذن المؤذنون،قال ثعلبة:وجلسنا نتحدث فإذا سكت المؤذنون وقام عمربن الخطاب يخطب أنصتنا فلم يتكلم منا أحد. (أخرجه مالك في الموطأ وسنده صحيح)(٢) وثعلبة مختلف في صحبته قال صاحب التهذيب له صحبة ،آه.

وقال الطحطاوي في حاشيته علىٰ مراقي الفلاح:وفي البحرعن العناية والنهاية اختلف المشائخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة فقيل:إنما يكره ماكان من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذلك مكروه.(أيضاً)(٣) والأول أصح.

ومن ثمه قال في البرهان:وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام فعلم بهذا أنه لاخلاف بينهم في جوازغيرالدنيوي على الأصح ويحمل لفظة الكلام في الأثرعلى الدنيوي ويشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية رضي اللّٰه عنه أجاب المؤذن بين يديه فلما أن قضى التأذين قال: يا أيها الناس إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني من مقالتي،آه.(ص:١٠٣)(٤)والبسط في الإعلاء.(٢/٥٩-٦١)

۷/رجب ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۳۳-۳۴)

---

(١) السنن الكبرىٰ للبيهقي،باب الصلاة يوم الجمعة نصف النهار وقبله (ح:٥٦٨٧)انيس

(٢) أخرجه مالك في الموطأ،ت:الأعظمي،ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح:٣٤٣)انيس

(٣) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب الجمعة: ٥١٨/١.انيس

(٤) الصحيح للبخاري،باب يجيب الإمام على المنبرإذا سمع النداء (ح:٩١٤)انيس

خطبہ کی اذان کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درست نہیں۔

کما فی الدر المختار: وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (۱) **فقط واللّٰہ اعلم** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۴۲) ☆

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے، مگر دعا کرنا جائز نہیں:

سوال: جمعہ میں اذان ثانی کا جواب دینا اور اذان کی دعا پڑھنا از روئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے سعایہ فی کشف شرح الوقایہ میں اس کے متعلق بہت بحث کی ہے اور آخر میں اپنی رائے سے یہ لکھی ہے کہ جواب دینا جائز ہے۔ لہذا آپ سے امید کرتا ہوں کہ اس کے متعلق کافی بحث کریں گے، بندہ اب تک جواب نہیں دیتا اور نہ دعا پڑھتا ہے، لیکن سعایہ کے دیکھنے سے اب شبہ پڑ گیا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا تو جائز ہے، کیونکہ وہ قبل از خطبہ ہے، مگر اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ خطبہ کا وقت ہے۔

وکلام الإمام یقطع سائر أنواع الکلام، والبسط فی إعلاء السنن. (۲/٦٠)

۲۷/شعبان ۱۳۴٦ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۴۵)

(۱) الدر المختار، مجتبائی، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٦٥/١، ظفیر

☆ خطبے کی اذان کا جواب اور دعا:

سوال: جمعے کے دن خطبے کی اذان کا جواب زبان سے دینا اور اس کے بعد دعا پڑھنا، درست ہے یا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

خطبے کی اذان کا جواب نہیں دیا جاتا، نہ اس کے بعد دعا ہے۔ (**وفی المجتبیٰ: فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة، واستماع خطبة الجمعة، إلخ. (البحر الرائق: ٢٧٤/١، کتاب الصلاة، باب الأذان، طبع دار المعرفة، بیروت)** (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۰)

نوٹ: جیسا کہ قبل میں تحقیق ہو چکی ہے کہ جمعہ کے اذان ثانی کے جواب میں دو قول ہیں، یہ جواب امام اعظم کے ایک قول کے موافق ہے۔ انیس

خطبہ کی اذان کا جواب اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا:

سوال　جو اذان کہ خطبۂ جمعہ کے واسطے کہی جاتی ہے اس کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر ''اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں اور جب امام اپنی جگہ سے اٹھے اسی وقت سے سکوت واجب ہے۔(۱) فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۶۰)

جمعہ کے دن شہر کی متعدد اذانوں میں سے پہلی اذان پر خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے، اس وقت تو بیع وفروخت منع ہے، آیا کل شہر پر یکساں حکم ہے، یا مختلف، کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے، کسی میں بعد کو، ہر محلّہ کی مسجد کے موافق حکم علیٰحدہ علیٰحدہ ہے، یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے؟

الجواب

جو بیع مخل سعی ہو، وقت اذان اول جمعہ کے مکروہ ہے، اور اگر چند جا اذان کہی جاوے، تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہوجائے، اگرچہ اس کی روایت صریحہ احقر نے نہیں دیکھی، لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔ اس قیاس پر وجوب سعی وکراہت بیع بھی اذان اول پر چاہئے خواہ مسجد محلّہ میں ہو یا غیر میں۔(۲)

(۱)　وکذا کل ماشغل عن سماع الخطبة من التسبیح والتهلیل والکتابة ونحوها بل یجب علیه أن یستمع ویسکت وأصله قوله تعالیٰ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (الأعراف: ٢٠٤) قیل نزلت الآیة فی شأن الخطبة أمر بالاستماع والإنصات ومطلق الأمر للوجوب. (بدائع الصنائع، حکم الخطبة: ١/٢٦٤. انیس)

(۲)　روایتِ صریحہ تو اس سلسلہ میں ہے نہیں، جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، بلکہ جواب ''اجابت اذان اول'' پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ درمختار کی جس عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ ایک مسجد کی چند اذانوں کے متعلق ہے اور زیر بحث متعدد مساجد کی اذانیں ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجابت اذان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجابت بالقدم، یعنی اذان سنکر مسجد میں جانا اور دوسری اجابت باللسان یعنی اذان سنکر منھ سے اس کا جواب دینا، اول واجب ہے اور ثانی مستحب ہے،۔۔۔ اسی طرح چند اذانوں کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول ایک ہی مسجد میں چند اذانیں ہوں۔ دوم چند اذانیں الگ الگ مساجد میں ہوں، قسم اول کا حکم درمختار میں یہ بیان کیا ہے کہ صرف اذان اول کا جواب دے۔

ولو تکرر أجاب الاول، آہ. (الدر المختار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد)

(قوله ولو تکرر) أی بأن أذن واحد بعد واحد أما لو سمعهم فی آن واحد من جهات فسیأتی، آہ. (رد المحتار)

علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ درمختار کا مذکور قول اس صورت کا حکم ہے، جبکہ متعدد اذانیں ایک ہی مسجد میں ہوں اور اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حرمت وعظمت صرف اذان اول کے لئے ہے؛ کیونکہ بعد کی اذانیں مسنون نہیں ہیں۔ ==

ولو تكرر أجاب الأول. (الدر المختار)

(قوله أجاب الأول) سواء كان مؤذن مسجده أو غيره. (ردالمحتار: ٣٦٦/١)(۱)

اور اس حکم میں سب اہل شہر یکساں ہیں، البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں، وہ مستثنیٰ ہیں، ان کو بیع جائز ہے۔

وكره البيع عند الأذان الأول وقد خص منه من لا جمعة عليه. (الدر المختار باب الجمعة: ١٣٢/٢)

۱۳/ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد صفحہ ۱۰۶-ج ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۶۶/۱-۱۶۸) ☆

== ويفيده ما في البحر أيضا عن التفاريق إذا كان في المسجد أكثر من مؤذن واحد، أذنوا واحدًا بعد واحد فالحرمة للأول، آه. (رد المحتار: ٣٦٩/١)

اور قسم دوم (یعنی جب متعدد مساجد کی اذانیں سنے) کے متعلق علامہ شامیؒ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ زبان سے تمام اذانوں کا جواب دے۔

بخلاف ما إذا كان من محلات مختلفة تأمل. ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية آه (رد المحتار)

یعنی داعی الی اللہ کے ساتھ حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اجابت باللسان تمام مساجد کی اذانوں کی مستحب ہو۔

رہی اجابت بالقدم، تو درمختار میں ہے:

وفي التتارخانية: إنما يجيب أذان مسجده، وسئل ظهير الدين عمن سمعه في آن من جهات ماذا يجب عليه؟ قال: إجابة مسجده بالفعل، آه.

قال الشامي: (قوله إنما يجيب أذان مسجده) أي بالقدم، اھ۔ (٣٧١/١)

یعنی اجابت بالقدم صرف مسجد محلّہ کی اذان کی واجب ہے۔

ادھر قول مختار کے مطابق جمعہ کی اذان اول کے وقت اجابت بالقدم واجب ہے۔

(وأن يجيب بقدمه اتفاقًا في الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعي، آه. (الدر المختار)

کیونکہ آیت کریمہ: ''اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ الخ'' سے مستفاد یہی ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی تمام کاروبار اور مشاغل چھوڑ کر علی الفور اجابت بالقدم واجب ہے اور جب ایک بستی میں متعدد جگہ نماز جمعہ جائز ہے، تو اجابت بالقدم ہر مسجد کی طرف تو واجب ہو نہیں سکتی؛ کہ یہ محال ہے اور نہ اس مسجد کی طرف واجب ہے جہاں سب سے پہلے اذان ہوئی ہے، ورنہ تعدد جمعہ کا جواز ہی ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ جب سب لوگوں کے لئے اسی مسجد کی طرف اجابت بالقدم واجب ہوئی، تو اب اور جگہ جمعہ جائز کہاں رہا؟ بلکہ اجابت بالقدم مسجد محلّہ (جہاں سامع جمعہ پڑھا کرتا ہے، یا اس دن کا جمعہ پڑھنے کی نیت کی ہے) کی طرف واجب ہے، لہٰذا کراہت بیع اور وجوب سعی کا حکم بھی اسی مسجد محلّہ کی اذان اول کے ساتھ متعلق ہوگا۔

والظاهر أن المأمورين بترك البيع هم المأمورون بالسعي إلى الصلوٰة، آه. (روح المعاني: ٩١/٢٨) والله سبحانه أعلم وعلمه أتم، سعيد)

(۱) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، انيس

☆ **جمعہ کے روز خرید وفروخت چھوڑنے کا حکم:**

سوال: بروز جمعہ ترک بیع وشراء کا حکم اذان اول سے ہے، یا اذان ثانی سے؟ بینوا توجروا۔ ==

چند اذانوں میں سے کس اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: چندروز ہوئے ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔

سوال: ایک وقت میں اذان کا جواب ایک ہی دفعہ دینا واجب ہے، یا جتنی دفعہ سنے اتنی ہی دفعہ واجب۔

جواب: خود واجب ہونے کی کیا دلیل؟

اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بصارت وطاقت نہیں جو حضور کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں، لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے، بعد ملاحظہ، سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمایئے جس سے تشفی کامل ہو جائے۔

عبارت بہشتی گوہر حسب ذیل ہے:

بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ اذان واقامت کی احکام صفحہ:۲۴، میں مسئلہ: ''جو شخص اذان سُنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے''۔

الجواب

اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقدم ہے، یا باللسان، بہشتی گوہر کا فتویٰ قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے راجح قول اول ہے۔ (شامی) اور اس صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔(۱) پھر اگر کئی اذانیں سنے، تو درمختار میں صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے، (۲) خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ **كما فصله تحت قول الدر المختار: ولو تكرر أجاب الأول.** (۴۱۲/۱)

۱۰/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ۔ (تتمہ خامسہ صفحہ:۲۵۸) (امدادالفتاویٰ جدید:۱۶۹/۱-۱۷۰)

==

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد زوال اذان اول سے بیع وشراء حرام ہو جاتی ہے۔

في التنوير: ووجب سعي إليها وترك البيع بالأذان الأول (في الأصح).

وفي الشامية: (قوله: في الأصح) قال في شرح المنية: ... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت و هو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. (۵۵۲/۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب. انيس) والله أعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ ۲۸/۱۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۳۱۵/۲-۳۱۶)

(۱) اس لئے بہشتی گوہر کی عبارت اب اس طرح بدل دی گئی ہے: ''جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اور بعض نے واجب بھی کہا ہے، مگر معتمد اور ظاہر مذہب استحباب ہی ہے''۔

==

متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:

سوال: اگر کئی مسجد سے اذان سنائی دے، تو کس مسجد کی اذان کا جواب دے؟ صرف اپنے محلّہ کی مسجد کا جواب کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بہتر یہ ہے کہ سب اذانوں کا جواب دے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو پہلی اذان کا زیادہ حق ہے اس کا جواب دے۔ خواہ محلّہ کی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ۔

قال فی العلائية: ولو تكرر أجاب الأول. (الدر المختار)

وفی الشامية: سواء كان مؤذن مسجده أو غيره (بحر عن الفتح بحثًا) (إلٰى قوله) ويظهر لی إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية. (رد المحتار: ٣٦٩/١)(۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۲/۲) ☆

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا:

سوال: بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

== اختلف فی الإجابة فقيل واجبة وهو ظاهر ما فی الخانية والخلاصة والتحفة وإليه مال الكمال وقيل: مندوبة وبه قال مالك والشافعی وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العينی، آه. (الطحطاوی على المراقی: ١٠٩. سعيد)

(۲) اس میں تسامح ہوا ہے جس کی تفصیل اس سے قبل بحوالہ امداد الفتاویٰ والے جواب میں حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے۔ سعید

حاشيه صفحه هذا:

(۱) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد، انيس

☆ متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:

سوال: ہماری بستی میں کم و بیش پانچ مسجدیں ہیں، کیا ان تمام مسجدوں کی اذان پر جواب دینا چاہئے؟ یا جو مسجد گھر سے قریب ہے، صرف اسی مسجد کی اذان کا جواب دینا چاہئے؟ (عظیم صدیقی، سبحان پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــ

اگر بیک وقت کئی مسجدوں میں اذان ہو رہی ہو تو قریبی مسجد کی نیت سے جواب دے اور اگر یکے بعد دیگرے اذان ہو تو پہلی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، خواہ وہ قریب کی مسجد ہو یا نسبتاً دور کی۔ علامہ شامی ابن ہمام سے نقل کرتے ہیں:

" والذی ينبغی إجابة الأوّل سواء كان مؤذن مسجده أو غيره، فإن سمعهم معًا أجاب معتبرًا كون إجابته لمؤذن مسجده". (رد المحتار، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ٧٠/٢) (کتاب الفتاویٰ: ۱۳۹/۲-۱۴۰)

الجواب

درود شریف کا پڑھنا ایک امر مستحسن ہے، لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے، یعنی جو کلمہ مؤذن سے سنے وہ سامع کہے،(۱) البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے، البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا، تو کوئی حرج نہیں، تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبی(صلی اللّٰہ علیه وسلم): "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فإنه من صلی صلاة صلی اللّٰه علیه وسلم بها عشرًا". (الحدیث)(الصحیح لمسلم: ۱۶۶/۱)(۲)

وفی الهندیة: یجب علی السامعین عند الأذان الإجابة وهی أن یقول مثل ما قال المؤذن إلا فی قوله حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، فإنه یقول مکان حی علی الصلاة "لاحول ولاقوة إلا باللّٰه العلی العظیم". إلٰی اٰخره. (الفتاویٰ الهندیة: ۵۷/۱، الفصل الثانی فی کلمات الأذان)(۳)(فتاویٰ حقانیہ:۴۸/۳)

مؤذن کے کلمات اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے، تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلمات اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے، تو یہ فلسفۂ جواب اذان کے خلاف ہے۔

قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: أن یقول مثل مایقول مثنٰی مثنٰی عقب کل جملة إلا فی الحیعلتین فیحوقل، الخ. (الفقه الإسلامی وأدلته، باب الأذان: ۵۵۳/۱)(۴)(فتاویٰ حقانیہ:۲۶/۳)

---

(۱) یعنی جس طرح مؤذن دوبار ہر کلمہ کو کہتا ہے، اسی طرح سامع بھی دوبارہ دہرائے۔ انیس

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب الأذان، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ۳۸۴) انیس

(۳) (و)صفة الإجابة أن یقول کما قال أی مثل ألفاظ المؤذن (و)لکن(حوقل) أی قال" لاحول ولا قوة إلا باللّٰه" أی لا حول لنا عن معصیة ولا قوة لنا علٰی طاعة إلابفضل اللّٰه(فی)سماعه (الحیعلتین). (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی: ۱۱۰)

(۴) عبارت درج بالا مسئلہ میں الفتاویٰ الهندیة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی: ۵۷/۱. کے حوالہ سے آچکی ہے۔

اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا بعد میں:

سوال: اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا اس کے بعد دے، مثلاً جب مؤذن "أشهد أن لا إلٰه إلا الله" شروع کرے، تو جواب دینے والا بھی ساتھ ہی شروع کردے، یا یہ کہ مؤذن کے إلا الله پر پہنچنے کے بعد جواب دینا شروع کرے؟　　(صوفی بشیر احمد رب بھروسے، عطر فروش میاں چنول)

الجواب

مؤذن کے ختم کرنے کے بعد مجیب شروع کرے، ہر جملہ میں ایسے ہی کرے۔

واستفيدمن هذا أن المجيب لايسبق المؤذن بل يعقب كل جملة منه بجملة منه،قال في الفتح: وفي حديث عمر بن أبي أمامة التنصيص علىٰ ذلک،آه،قلت:وظاهره أنه لاتكفى المقارنة لأن الجواب يعقب الكلام بخلاف متابعة المقتدى للإمام،آه.(ردالمحتار: ۲۹۳/۱)(۱)**فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان ۱۴/۷/۱۴۰۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۳/۲)

اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں دے:

سوال: کسی نے غفلت سے اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا اور اذان ختم ہوگئی تو کیا اب پوری اذان کا جواب دے سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب　　باسم ملهم الصواب

اگر اذان کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا تو جواب دینا مندوب ہے۔

قال في العلائية: ولولم يجبه حتىٰ فرغ لم أره وينبغي تداركه إن قصر الفصل.(الدر المختار)

وفي الشامية:(قوله لم أره،الخ)البحث لصاحب البحروصرح به ابن حجرفي شرح المنهاج حيث قال:فلوسكت حتىٰ فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفى في أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر،آه.(رد المحتار،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳٦۹/۱)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۳/ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۲/۲)

---

(۱)　ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹۸/۱.دار الفكر

عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى الله عليه بها عشرًا ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة ولاتنبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجوا أن أكون أنا هو،فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة".(سنن أبي داؤد، باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح: ۵۲۳)/سنن الترمذي،باب في فضل النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ۳٦۱٤)/سنن النسائي،الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم (ح:٦۷۸)انيس)

کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے:

سوال (۱) اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہیں یا دوسرے؟

(۲) مسجد میں ہو تو اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) اگر تعلیم وتقریر ہو رہی ہو تو اس کو بند کر کے جواب دینا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) مسجد میں یا باہر سب جگہ وہی الفاظ کہیں البتہ **"حی علی الصلاة"** و **"حی علی الفلاح"** پر **"لا حول ولا قوة إلا باللّٰه"** کہیں۔(۱)

(۲) مسجد میں رہتے ہوئے جب اذان ہو، تب بھی جواب دینا چاہئے۔(۲)

(۳) تقریر وتعلیم بند کر کے جواب دینا افضل ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۱/۵-۴۲۲)

(۱) ويجب من سمع الأذان بأن يقول كمقالته،إلا في الحيعلتين،فيحوقل" (التنوير متن الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹٦/۱-۳۹۷،سعيد)

"يجب على السامعين عند الأذان الإجابة:وهي أن يقول مثل ما قال المؤذن،إلا في قوله:"حي على الصلاة" حي على الفلاح،فإنه يقول مكان"حي على الصلاة"لاحول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم،ومكان قوله"حي على الفلاح": ما شاء اللّٰه كان وما لم يشأ لم يكن،كذا في محيط السرخسي".(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثاني في الأذان،ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن : ۵۷/۱،رشيدية)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"إذا سمعتم النداء،فقولوا مثل ما يقول المؤذن".(الحديث)

حدثنا إسحاق قال حدثنا وهب بن جرير قال حدثنا هشام عن يحيٰى نحوه،قال يحيٰى وحدثني بعض إخواننا أنه قال:لما قال"حي على الصلاة"،قال:"لا حول ولا قوة إلا باللّٰه"،وقال:هكذا سمعنا نبيكم صلى اللّٰه عليه وسلم يقول".(الصحيح للبخاري،كتاب الأذان،باب ما يقول إذا سمع المنادي: ۸٦/۱،قديمي)

عن عبداللّٰه بن علقمة بن وقاص قال:إني لعندمعاوية إذ أذن مؤذنه فقال معاوية كما قال مؤذنه،حتى إذا قال حي على الصلاة قال:لا حول ولا قوة إلا باللّٰه ولما قال:حي على الفلاح،قال:لا حول ولا قوة إلا باللّٰه ثم قال بعد ذلك ماقال المؤذن ثم قال:سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.(مسند الشافعي،ت:السندي،الباب الثاني في الأذان (ح: ۱۸۲)/ معرفة السنن والآثار،القول مثل مايقول المؤذن (ح:۲۵٦۸)/ شرح السنة للبغوي،باب إجابة المؤذن (ح:٤۲۲)انيس)

(۲-۳) "(فيقطع قراءة القرآن لو)كان يقرأ (بمنزله،ويجيب) لوأذان مسجده كما يأتي، ولوبمسجدٍ لا؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع على قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً، والظاهروجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول المؤذن".(الدر المختار)

(قوله:ولو بمسجدٍ،لا)أي لايجب قطعها بالمعنى الذي ذكرناه آنفاً،فلا ينافي ما قدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلواني،فافهم".(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة: ۳۹۸/۱-۳۹۹،سعيد)

اذان کے جواب میں "اللّٰہ أکبر" کے بجائے "جلّ جلالہ" کہنا:

سوال: اذان سننے کے وقت سامع کو "اللّٰـہ أکبر" کے ساتھ جواب دینا افضل اور بہتر اور مرجح ہے، یا "جل جلالہ" اور اگر "جل جلالہ" کہنا جائز ہے، تو کوئی اس بارہ میں حدیث وارد ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الحصن:

وإذا سمع المؤذن فلیقل کما یقول (ع ی) وبعد الحیعلتین لاحول ولا قوۃ إلاّ باللّٰہ. (ص: ۸۰)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں "اللّٰہ أکبر" کے جواب میں "اللّٰہ أکبر" کہنا ہی افضل ہے۔

لورود الأمر فیہ وأقلہ السنیۃ أو الاستحباب، ہاں "اللّٰہ أکبر" کے بعد "جل جلالہ" بڑھاوے تو اچھا ہے۔ **لکونہ زیادۃ فی الثناء** باقی حدیث میں کہیں ہم کو ثابت نہیں ہوا، اور اگر "اللّٰہ أکبر" نہ کہے بلکہ صرف "جل جلالہ" کہے تو جواز میں تو شک نہیں۔

لکون التکبیر فی الأذان أقل تأکدًا منہ فی افتتاح الصلاۃ فلما جاز فیہ عند الحنفیۃ أن یقول: اللّٰہ أجل أو أعظم أو الرحمٰن أکبر أو مایؤدی معنی التعظیم ففی الأذان أولٰی. (۲)

لیکن خلاف سنت ضرور ہے۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۰)

"أشھد أن لا إلٰہ إلاّ اللّٰہ" کے آخر میں ہا ہا کہنا:

سوال: ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ "أشھد أن لا إلٰہ إلاّ اللّٰہ" کے آخر میں ہا، ہا کہتے ہیں، تو اس (طرح) پڑھنے کا حکم عند الشرع کیا ہے؟

(۱) الحدیث الأول: أخرجہ البخاری فی باب ما یقول إذا سمع المؤذن (ح: ٦١١)/ومسلم فی باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، الخ (ح: ٣٨٣)/وابن ماجۃ فی باب مایقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧١٩)/وأبوداؤد، فی باب مایقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٢)/والترمذی فی باب مایقول إذا أذن المؤذن (ح: ٢٠٨)/والنسائی فی باب القول مثل مایقول المؤذن (ح: ٦٧٣) انیس)

والحدیث الثانی أخرجہ مسلم فی باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ (ح: ٣٨٥)/ وأبوداؤد، باب ما یقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٧)/والبزار عن حفص بن عاصم عن أبیہ عن عمر بن الخطاب (ح: ٢٥٨) انیس)

(۲) (ویصح الافتتاح) أی افتتاح الصلاۃ (بالتکبیر) وھو اللّٰہ أکبر (والتھلیل) وھو لا إلہ إلا اللّٰہ (والتسمیۃ) وھو بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم (وبکل اسم من أسماء اللّٰہ تعالیٰ) نحو: اللّٰہ أجل، أو اللّٰہ أعظم، أو الرحمن أکبر، أو الرحیم أکبر، أو الحمد للّٰہ، أو سبحان اللّٰہ وھذا عند أبی حنیفۃ ومحمد، الخ. (منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک، فصل فی شروط الصلاۃ، الشرط السادس: ١/١٢٣. انیس)

الجواب

اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنی میں تغیر فاحش لازم آئے تو شرعا ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر تغیر معنی نہ آئے، تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فساد معنی اگرچہ نہیں آتا؛ لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصكفي: ومنها القراءة بالألحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين ... فلو في إعراب أو تخفيف مشدد وعكسه أو بزيادة حرف فأكثر. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار: ٦٣٠/١، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب مسائل زلة القارى)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۴۸-۴۹)

حیعلتین کا جواب:

سوال: بہشتی زیور جلد نمبر:۱۱، باب اجابت المؤذن کے ایک مسئلہ سے شبہ واقع ہوتا ہے مہربانی کر کے اس کا ازالہ فرمائیں حضرت مولانا یہ بیان فرماتے ہیں:

''جو لفظ مؤذن کی زبان سے سنے وہی کہے مگر ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' بھی کہے''۔(۲)

بظاہر اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ وحَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں اس لفظ کو بھی دہرائے اور ساتھ ہی ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' بھی کہے۔ لیکن اس مسئلہ کے حوالہ میں جو عبارت مراقی الفلاح کی پیش کی گئی ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' بھی کہے؛ اس کے ساتھ حیعلتین بھی کہے۔ پوری عبارت مراقی الفلاح کی ملاحظہ فرمائیں:

''حيعلتين هما: ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ'' و''حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' كما ورد؛ لأنه لو قال مثلهما صار

(۱) أما إن قرأ حرفا مكان حرف أو زاد حرفا أو نقص أو قدم المؤخر أو أخر المقدم وأما إن كان كلمة أو زاد كلمة أو نقص أو قدم أو أخر وأما إن قرأ آية مكان آية أو نقص أو زاد أو قدم المؤخر أو أخر المقدم أما إذا قرأ حرفاً مكان حرف و لم يغير المعنى بأن قرأ ''إن المسلمين'' ''إن المسلمون'' لا يفسد. (خلاصة الفتاویٰ: ١٠٦/١، الفصل الثاني في زلة القارى)

وفي الحديث: رب قارىء للقرآن والقرآن يلعنه، وهو متناول لمن يخل بمبانيه أو معانيه أو بالعمل بما فيه وذلك موقوف على بيان اللحن وهو إلى جلي أو خفي فالجلي خطأ يعرض للفظ ويخل بالمعنى بأن بدل حرفاً مكان حرف بأن يقول مثلاً الطالحات بدل الصالحات، وبالإعراب كرفع المجرور ونصبه سواء تغير المعنى به أم لا إذا قرأ: إِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلِهِ، بجر رسوله، والخفي خطأ يخل بالعرف والضابطة كترك الإخفاء والإدغام والإظهار والقلب وكترقيق المفخم وعكسه ومد المقصور وقصر الممدود وأمثال ذلك ولا شك أن هذا النوع مما ليس بفرض عين يترتب عليه العقاب الشديد وإنما فيه التهديد وخوف العقاب. (روح البيان، من تفسير سورة المزمل: ٢٠٦/١٠. انيس)

(۲) بہشتی زیور حصہ یازدہم، اذان واقامت کے احکام، ص:۷۴۵، دار الاشاعت کراچی

کالمستھزی؛لأنہ من حکی لفظ الآخر بشيء کان مستھزیا بخلاف باقی الکلمات؛لأنہ ثناء، والدعاء مستجاب بعد إجابتہ بمثل ما قال". (باب الأذان: ۳٤۱/۱)(۱)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی، ص:۱۱۰، میں ہے:

"واختار المحقق فی الفتح:الجمع بین الحیعلة والحوقلة عملاً بالأحادیث الواردة وجمعاً بینھما". (۲)فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۱۳۸۸ھ۔الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۴۲۸/۵-۴۲۹)

حیعلتین وغیرہ کے جواب میں الفاظ کے فرق کی دلیل کیا ہے:

سوال: تمام کلماتِ اذان کا جواب بعینہٖ انہیں کلمات کے ساتھ دینے کا حکم ہے، سوائے "حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ" کے اور "اَلصَّلاَةُ خَيْرٌمِّنَ النَّوْمِ" کے، (کہ) ان کے جواب میں " لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ" اور "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ" کہا جاتا ہے۔اس کی دلیل عقلی کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

اس کی دلیل نقلی ہی کافی ہے۔فقط (عقلی دلیل یہ ہے کہ انسان اعتراف کرتا ہے کہ عبادات اور دوسری نیکیوں کی بجا آوری رب العزت کی توفیق پر ہے، پھر بلانے والے کے جواب میں خود کو بلانا کوئی عقل سے لگتی بات نہیں۔ظفیر)(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱۱/۲)☆

---

(۱) مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۲۰۳/۱-۲۰٤، قدیمی

(۲) حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ص: ۲۰۳، قدیمی/وکذا فی الد المحتار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۳۹۷/۱، سعید)

یعنی دونوں ایک ساتھ پڑھ لیا جائے، لیکن اگر صرف "لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ" پر ہی اکتفا کیا تو بھی کافی ہے۔انیس

(۳) "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ" کے جواب میں ان الفاظ کو بھی دہرانا چاہئے اور "لاحول" الخ بھی پڑھنا چاہئے؛ کیونکہ دونوں طرح کی روایت موجود ہے۔واختار فی الفتح: الجمع بینھما عملاً بالأحادیث. (رد المحتار)

اور "لاحول" پڑھنے کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ مؤذن جب نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے، تو سننے والا جواب میں کہتا ہے یہ عظیم الشان ذمہ داری ہے اور اس کی بجا آوری ایک اہم کام ہے؛ کیونکہ یہ وہ امانت ہے جو زمین وآسمان پر پیش کی گئی، تو وہ بھی تھرّا اٹھے اور قبول سے گریز کیا۔"فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا (القرآن، آخر سورۃ الأحزاب) تو پھر ہم جیسے ضعیف وناتواں کا کیا پوچھنا، سوائے اس کے کہ خود رب العالمین کی توفیق رفیقِ راہ ہو اور دستگیری فرمائے۔اس لئے کہ " لاَحَوْلَ وَلاَقُوَّةَ إِلاَّبِاللّٰہِ " کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ وناگواری سے خلاصی اور طاعت اللہ کی بجا آوری سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہو سکتی ہے۔واللہ اعلم

==

فجر کی اذان میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کا جواب:

سوال: صبح کی اذان میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کہنا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

یہ کہنا چاہیے، ثابت ہے۔ (تالیفات رشیدیہ: ٢٦٠)

اذان فجر میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کہنے کا حکم:

سوال: اذان فجر میں ''الصلاۃ خیرمن النوم'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اذان فجر میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہانے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

== اور ''اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کہہ کر مؤذن کی تصدیق وتائید کی جاتی ہے اور اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موقع اسی کا ہے، ان الفاظ میں نہ خدا کی بڑائی ہے اور نہ شہادتین، اس لئے دہرانا مفید نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

☆ ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کا کیا جواب ہے:

سوال: جواب اذان میں ''حَیَّ عَلَی الصَّلاۃِ''، ''حَیَّ عَلَی الْفَلاَحِ'' کے مقابلے میں تو ''لاَحَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ إِلَّابِاللّٰہ'' پڑھا جائے گا لیکن فجر کی اذان میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذان فجر میں ''اَلصَّلاۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' کہے تو جواب دینے والا جواباً ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' کے الفاظ یا ''مَاشَاءَ اللّٰہُ'' کے الفاظ کہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه اللّٰه: في أذان الفجر قال المجيب: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' بفتح الراء الأولٰى وكسرها أويقول ''مَاشَاءَ اللّٰهُ'' عند قول المؤذن في أذان الفجر: ''اَلصَّلاةُ خَيْرٌمِّنَ النَّوْمِ''. (مراقي الفلاح علٰى هامش الطحطاوي: ١١٠، باب الأذان) (وفي الهندية: كذا قول المؤذن ''اَلصَّلاةُ خَيْرٌمِّنَ النَّوْمِ'' لايقول السامع مثله ولكن يقول ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية: ٥٧/١، الباب الثاني في الأذان)

(فتاویٰ حقانیہ: ٦٤/٣-٦٥)

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

قال ابن الملقن فی تخریج أحادیث الرافعی:لم أقف علٰی أصله فی کتب الحدیث،وقال ابن حجر: لا أصل له.(الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث: ١٢٣/١)

وقال القاری: لا أصل له.(کذا فی کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علٰی ألسنة الناس: ٢١/٢)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ٢٥٩/١ : لا أصل لها.

فقہا کی عبارت ملاحظہ ہو:

درمختار مع شامی میں ہے:

وفی:"اَلصَّلاةُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ"فیقول:"صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ"،لورود خبر فیه،ورد بأنه غیرمعروف وأجیب بأن من حفظ حجة علٰی من لم یحفظ.(ردالمحتار: ٣٩٧/١،سعید)

وفی تقریرات الرافعی:قال الرحمتی:ویأتی فی هذا ماتقدم فی الحیعلتین بل أولٰی؛لأن حدیث"قولوا مثل ما یقول"یشمله ولم یرد حدیث آخر فی"صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ"بل نقلوه عن بعض السلف،سندی.(تقریرات الرافعی: ٤٧/١،سعید)

علامہ شرنبلالی امداد الفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال:"صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ") مروی ذلک عن بعض السلف کذا فی التجنیس والمزید.(إمداد الفتاح: ٢٢١، بیروت)

مذہب شافعیہ:

قال النووی فی شرح مسلم فی باب الأذان:إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال:"اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ"قال سامعه:"صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ"،هذا تفصیل مذهبنا.(٢)

مذہب حنابلہ:　　کشاف القناع میں ہے:

"ویقول المجیب عند التثویب:أی قول المؤذن فی أذان الفجر:"اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ" "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ".(کشاف القناع: ١٧٩/٢،وکذا فی فقه العبادات الحنبلی: ١٤٦/١)

مذہب مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

"ولایحکی"اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ"ولایبدلها بقوله:"صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ". (الشرح الکبیر: ١٩٧/١، کذا فی حاشیة الدسوقی: ٢٢٦/٢.وحاشیة الصاوی: ٤٣١/١) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ١٠١/٢-١٠٢)

(١)　ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد.انیس

(٢)　شرح النووی لمسلم،کتاب الصلاة،باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه،الخ : ٨٨/٤.انیس

مسجد کے اندر رہتے ہوئے جواب دینا ضروری نہیں:

سوال: زید مغرب کی اذان سے پیشتر مسجد میں بیٹھا ہوا چند آدمیوں سے کوئی مسئلہ بیان کررہا تھا کہ اذان مغرب شروع ہوگئی، مگر زید نے اپنی تقریر کو بند نہیں کیا، نہ اذان سنی اور نہ جواب دیا۔ وہ کہتا ہے کہ علم دین سکھانے والے پر جواب اذان واجب نہیں، اس بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ———————

جو شخص مسجد میں بوقت اذان موجود ہو اس کو اجابت باللسان کرنا مستحب ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ کے بیان کی وجہ سے وہ خاموش نہ ہوا اور اذان کا جواب نہ دیا تو گنہ گار نہیں ہوا۔ البتہ بہتر یہ تھا کہ خاموش ہو کر اذان کا جواب دیتا، لیکن ترک مستحب پر طعن نہیں ہوسکتا اور بعض فقہا اگرچہ وجوب اجابت باللسان کے بھی قائل ہیں؛ مگر صحیح وراجح عدم وجوب ہے۔(١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:١٠٦/٢) ☆

اذان کا جواب حاضرین مسجد پر واجب نہیں، اس کی کیا وجہ:

سوال: اذان اور اقامت کا جواب دینا سامع پر واجب ہے، مگر جو شخص حاضر مسجد ہے، اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب ———————

اذان واقامت کا جواب مستحب ہے، بعض علما جواب اذان کو واجب کہتے ہیں، مگر زیادہ معتمد یہی ہے کہ اجابت فعلی (اذان سن کر مسجد کی طرف جانا) واجب ہے اور اجابت قولی (اذان سن کر منہ سے اس کا جواب دینا) مستحب ہے، حاضرین مسجد کیلئے ایک ہی صورت ہے کہ منہ سے جواب دیں اور یہ مستحب ہے۔(٢) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ :١٣٥/١)

---

(١) (ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانی ندباً،الخ(من سمع الأذان).(الدر المختار)

أی قال الحلوانی: إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم.(رد المحتار،باب الأذان،قبيل مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد: ١/ ٣٦٧،ظفير)

☆ جو شخص مسجد میں ہو اس کو جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں:

سوال: مسجد کے اندر جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں، کیونکہ کتاب " القول المتين " میں لکھا ہے کہ جواب دینا ضروری نہیں ہے، اگر جواب دے تو صواب ہے؟ ==

اذان صحیح سمجھ نہ آرہی ہو، تو جواب دیں یا نہ دیں:

سوال: اگر اذان کی آواز ہوا کی وجہ سے صحیح نہ آرہی ہو، کوئی لفظ سنائی دیتا ہو اور کوئی نہیں، تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

الفاظ سمجھ میں آئیں، تو جواب دیں، ورنہ نہیں۔(١) (آپ کے مسائل اوران کا حل:٣٠٩/٣)

مسجد میں تلاوت کرنے والے کو جواب اذان افضل ہے یا تلاوت:

سوال: تالی القرآن فی المسجد کو خواہ عامی ہو یا عالم جواب الاذان افضل ہے یا مشغولی تلاوت؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

جواب اذان افضل ہے۔

فی الدر المختار: (ویجب) (٢) وجوبًا، وقال الحلوانی ندبًا والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لاحائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه بخلاف قرآن.

وقال الشامی تحت قوله بخلاف قرآن: لأنه لايفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلّم، فعلٰى هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع، سائحانی. (٤١١/١)(٣)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

بیشک اس صورت میں جواب دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے، لہذا بلاوجہ ترک کرنا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفاعنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ۔ ١٠ ار شعبان ١٣٤٨ھ۔ (امداد الاحکام: ٤٧/٢)

(٢) قال شمس الأئمة الحلوانی: تكلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتى لو أجاب باللسان ولم يمش إلى المسجد لايكون مجيباً ولو كان حاضرًا فی المسجد حين سمع الأذان فليس عليه الإجابة وقوله عليه السلام: "من قال مثل مايقول المؤذن، فله من الأجر كذا" فهو كذلك إن قاله نال الثواب الموعود، وإن لم يقل لم ينل الثواب الموعود، فأما أن يأثم أَو يكره له ذلك، فلا، وإذا ردالجواب باللسان لنيل الثواب الموعود، فكل ماهو ثناء وشهادة يقول كمايقول المؤذن وعندقوله: "حی على الصلاة" يقول لاحول ولاقوة إلابالله "ماشاء الله كان". (المحيط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والإلحان: ٣٥٠/١-٣٥١. انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(١) (قوله من سمع الأذان) يفهم منه أنه لولم يسمع لصمم أولبعد أنّه لا يجيب... إلخ. (ردالمحتار: ٣٩٦/١)

(٢) هكذا فی الأصل والصحيح يجيب. منه (دارالفکر بیروت کے نسخہ میں "ویجیب" ہے۔ انیس)

(٣) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد، انيس

وقال الشامي أيضاً: ١/٤١٤ :(قوله ولو بمسجد لا)أى لايجب قطعها بالمعنى الذى ذكرناه آنفاً فلاينافى ماقدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلوانى.

وفى الصفحة المذكورة أيضًا بعد نقل حديث (۱) عن الطحاوى:فهذه قرينة صارفة للأمرعن الوجوب وبه تأيد ماصرح به جماعة من أصحابنا من عدم وجوب الإجابة باللسان وأنها مستحبة،وهذا ظاهرفى ترجيح قول الحلوانى،وعليه مشى فى الخانية والفيض،الخ.(۲)

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ-(امدادالاحکام:۳۵/۲)

وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب:

سوال: ایک آدمی مسجد میں وضوکررہاہے، یاقرآن پڑھ رہاہے یاحدیث وفقہ پڑھ رہاہے یاوعظ وتقریرکررہاہے اورادھرمؤذن نے اذان شروع کردی تو کیا یہ اپناعمل روک کراذان کا جواب دے یا اپناعمل جاری رکھے؟مفصل تحریرفرمائیں کہ کن صورتوں میں کیا کیااحکام ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

وضوکرتارہے، بقیہ امور میں افضل یہ ہے کہ ان کو بندکرکے اذان کا جواب دے، لیکن اگران کو جاری رکھا تب بھی گناہ نہیں ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۲۴/۵-۴۲۵)

---

(۱) ’’عن عبدالله قال:كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى بعض أسفاره،فسمع منادياًوهويقول:الله أكبر،الله أكبر،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:على الفطرة،فقال:أشهدأن لا إله إلا الله،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:خرج من النار،قال:فابتدرناه فإذا هو صاحب ماشية أدركته الصلاة فنادىٰ بها‘‘.

فهذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قدسمع المنادى ينادى فقال غير ماقال،فدل ذلك على أن قوله’’إذا سمعتم المنادى فقولوامثل الذى يقول،أن ذلك ليس على الإيجاب وأنه على الاستحباب والندبة إلى الخيروإصابة الفضل كما علم الناس من الدعاء الذى أمرهم أن يقولوه فى دبرالصلاة وماأشبه ذلك.(شرح معانى الآثار،باب مايستحب للرجل أن يقوله إذا سمع الأذان: ١/١٤٦ (ح:٨٩٧)انيس)

(۲) رد المحتار، باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة: ١/٣٩٩،انيس

(۳) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:’’إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن‘‘.(صحيح البخارى،كتاب الأذان،باب ما يقول إذا سمع النداء: ١/٨٦،قديمى)

’’(ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانى:ندباً،والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)الخ (بأن يقول)... (كمقالته) الخ (إلا فى الحيعلتين)... (وفى’’الصلاة خيرمن النوم‘‘)الخ(فيقطع قراءة القرآن لو)كان يقرأ(بمنزله، ويجيب)الخ (ولوبمسجد،لا)؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع علىٰ قول الحلوانى،وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً،و الظاهروجوبها باللسان لظاهرالأمرفى حديث:’’اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول‘‘ الخ.(الدر المختار،كتاب الصلاة،باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرارالجماعة فى المسجد: ١/٣٩٦-٣٩٩،سعيد)

تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب:

سوال: اذان کے وقت قضا نمازیں ،نوافل، یا تلاوتِ قرآن پاک جائز ہے یا نہیں؟ تلاوت جاری رکھے یا اذان کا جواب دے؟اسی طرح وضو کرتے وقت اذان سنائی دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر نماز قضا یا نفل نماز پہلے شروع کر دی ہے اور درمیان میں اذان ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اول اذان کا جواب دے پھر دعاء وسیلہ پڑھے؛ پھر نماز شروع کر دے۔(۱)

اگر حالتِ تلاوت میں اذان ہوجائے ،تو یہ بہتر ہے کہ تلاوت روک کر اذان کا جواب دے ،پھر دعا پڑھے، پھر ’’أعوذ بكلمات،الخ‘‘ پڑھ کر تلاوت شروع کر دے۔(۲)

وضو کی حالت میں اذان کا جواب بھی دیتا رہے، وضو بھی کرتا رہے۔(شامی:۱/۲۶۷)(۳)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۲۵-۴۲۶)

(۱) نوٹ: اس جواب میں حضرتؒ سے سہو ہوا ہے،اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب قضا یا نفل نماز شروع کر دی گئی تو اذان کا جواب نہیں دیا جائے گا،اس لیے کہ دوران نماز کوئی بات کرنی یا کوئی دوسری دعا نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔

(ولا يجيب في الصلاة) ولو أجاب فسدت (ولو جنازة وخطبة)أي خطبة كانت (وسماعها وتعلم العلم و تعليمه والأكل وقضاء الحاجة.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب الأذان:۲۰۳،دار الكتب العلمية.انيس)

(۲) ’’(ويجيب)...(من سمع الأذان)... لا حائضًا ونفساء [أي لا يجيب إذا كان السامع حائضاً وما بعده] وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع،ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن‘‘.(الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:(قوله بخلاف قرآن)؛لأنه لا يفوت،جوهرة،ولعله؛لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر،فلا يفوت بالإجابة،بخلاف التعلم،فعلى هذا لو يقرأ تعليمًا أو تعلمًا،لا يقطع.سائحاني.‘‘.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹٦/۱،سعيد)

(۳) ’’(ويجيب)...(من سمع الأذان)...(بأن يقول)بلسانه(كمقالته)...(إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي’’الصلاة خير من النوم‘‘)... ويدعوا عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم..(فيقطع قراءة القرآن لو)كان يقرأ(بمنزله،ويجيب)لو أذان مسجده كما يأتي(ولو بمسجد لا)؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع علىٰ قول الحلواني،وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً،والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث:’’إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول‘‘.(الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹٦/۱-۳۹۹، سعيد)

’’ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة،ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة،كذا في البدائع‘‘.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثاني في الأذان،ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۵۷/۱،رشيدية)

قرآن کا درس پڑھنے کے دوران اذان ہو جائے تو جواب کا حکم:

سوال: تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے، تو جواب دینا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھے۔ (سائل: مولوی عبیداللہ کبیر والا)

الجواب

اگر تعلیم وتعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں، تو قراءت جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کر رہے ہوں، تو تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دیں۔ فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دیں۔

(ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن، آه. (الدر المختار)

(قوله بخلاف قرآن) لأنه لايفوت. جوهرة. ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلىٰ هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني، آه. (ردالمحتار، باب الأذان: ۲۹۲/۱، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷/۱۱/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۰-۲۳۱)

قرآن پڑھتے ہوئے اذان سنے تو کیا کرے:

سوال: قرآن کے حفظ کرنے یا دیکھ کر پڑھنے میں اذان کا جواب جو کہ واجب ہے دینا چاہئے یا قرآن کی تلاوت جاری رکھنا جائز ہے؟

الجواب

اذان کا جواب دینا مستحب ہے اگر قرآن شریف کو بند کر کے جواب اذان کا دے تو اچھا ہے اور اگر قرآن شریف ہی پڑھتا رہے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۹۳) ☆

(۱) (ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة الخ، بخلاف قرآن (الدر المختار)

لأنه لايفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلىٰ هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳٦۷/۱-۳٦۸، ظفير)

☆ قرآن ودرود شریف پڑھتے ہوئے اذان سنے تو......:

سوال: کلام مجید یا درود شریف پڑھتا ہو اور اذان ہونے لگے تو اذان کا جواب دے یا نہ دے اور پڑھتا رہے؟ ==

بوقت اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے:

سوال: جس وقت کوئی شخص اذان سنے اس وقت تلاوت موقف کردے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر مسجد میں تلاوت کر رہا تھا، تب تو تلاوت کو جاری رکھے، اگر خارجِ مسجد یا اپنے مکان وغیرہ میں تھا، تو تلاوت کو موقوف کرکے اذان کا جوب دے۔ (تنویر الأبصار: ۱/۴۱۴)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۷)

بوقت تلاوت اذان شروع ہوجائے، تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر تلاوت کرنے وقت اذان شروع ہوجائے، تو اذان کا جواب دے، یا تلاوت کرتا رہے؟ بندہ نے کسی بڑے عالم حضرت مولانا تھانویؒ یا حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ اذان ہوتے وقت تلاوت نہ کرنا چاہیے۔

ایک عالم صاحب نے بتلایا کہ آدمی اگر مسجد میں تلاوت کر رہا ہے، تو اذان کا جواب نہ دے، اور اگر باہر تلاوت کر رہا ہے تو تلاوت بند کرکے اذان کا جواب دے، جواب تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمائیں؟ بینواوتوجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

درمختار اور شامی میں ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت موقوف کرکے جواب اذان کا دے۔ پس درود شریف کا بھی یہی حکم ہے۔ (لو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب) الخ (فيقطع قراءة القرآن لو) كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد، لا). (الدر المختار)

الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لإخلال القعود بالسعي الواجب، وإلا فلامانع من القراءة ماشياً، إلا أن يراد يقطعها ندباً للإجابة باللسان أيضاً، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۳۷۰، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۵)

(۱) "(ويجيب)... (من سمع الأذان)... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته)... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي "الصلاة خير من النوم")... ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم... (فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله، ويجيب)... (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علىٰ قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول". (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۶ ـ ۳۹۹، سعيد)

"ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

صرح فی العنوان بأن الإمساک عن التلاوة والاستماع إنما هو أفضل. (الطحطاوی علی المراقی: ١٢٠)(باب الأذان: ١٣٥، مصری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تلاوت منقطع کر کے کلمات اذان کا سننا اور جواب دینا افضل وبہتر ہے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اور کتب فقہیہ میں جو یہ مذکور ہے کہ مسجد میں ہو تو جواب نہ دے، اس کا مطلب صاحب طحطاوی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قدم سے جواب نہ دے، کیوں کہ وہ پہلے ہی سے حاصل ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تلاوت قطع کر کے زبان سے جواب دینا بھی افضل نہیں ہے،(١) اور درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں ہوتے ہوئے جواب نہ دینے والا قول مرجوح وغیر مفتی بہ ہے،(٢) بہر حال عالم صاحب کی بات خلاف تحقیق ہے، حق وہی ہے جو آپ نے حضرت اقدس تھانوی یا حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے۔

قوله: یمضی علیٰ قرأته إن کان فی المسجد مبنی علیٰ وجوب الإجابة بالقدم، ومن قال بها لاینفی ندب الإجابة باللسان. (الطحطاوی علی المراقی: ١٢٠)(باب الأذان: ١٣٥، مصری)

وفی أحسن الفتاویٰ: مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اور اس کا جواب دے۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان والإقامة: ٢/٢٨٨، زکریا، دیوبند)

کتبہ: عبداللہ غفرلہ: ٢٧/٢/٧-١٤٠ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ٢/٢٨٧-٢٨٩)

تلاوت کے درمیان اذان:

سوال: اگر کوئی مکان میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اس درمیان کسی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگے تو کیا اس دوران تلاوت روک دی جائے؟ چونکہ یہاں کئی مساجد ہیں، اور وقفہ وقفہ سے اذان کی آواز آتی رہتی ہے، تو کیا ہر دفعہ تلاوت قرآن روک دی جائے؟ اور اگر قرآن کی تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو کیا اس کے لئے بھی تلاوت روک دینے کا حکم ہے؟ بعض حضرات اذان کے دوران وضو کرنا بھی روک دیتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

---

(١) فی المراقی: وإذا سمع المسنون منه أمسک حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وهو الأفضل وفی الفوائد: یمضی علیٰ قراءته إن کان فی المسجد.

وفی الطحطاوی: (قوله یمضی علیٰ قراءته إن کان فی المسجد) مبنی علیٰ وجوب الإجابة بالقدم ومن قال بها لاینفی ندب الإجابة باللسان. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب الأذان: ١٣٥، مصری)

(٢) فی الدر المختار: (فیقطع قراءة القرآن لو) کان یقرأ (بمنزله، ویجیب)... (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور وهذا متفرع علیٰ قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً. (الدر المختار علی صدر المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ١/٢٦٧، نعمانیة، دیوبند)

الجواب

جب آپ گھر میں قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں، اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، اگر کئی مسجدوں سے آواز آئے تو اپنے محلّہ کی مسجد کی اذان کا جواب دیں، اس کے بعد تلاوت جاری رکھیں۔

" ...وعليه (فيقطع قراءة القرآن لو) كان (يقرأ بمنزله، ويجيب) أذان مسجده كما يأتي". (۱)

اگر مسجد میں تلاوت کر رہے ہوں تو کیا تلاوت روک کر جواب دیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ تلاوت روک کر جواب دینا چاہئے، کیونکہ تلاوت بعد میں بھی کی جا سکتی ہے، اذان کا جواب بعد میں نہیں دیا جا سکتا۔

وضو کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، کیونکہ جب اذان ہو تو جواب دینے کا عمومی حکم دیا گیا ہے اور وضو کرتے ہوئے جواب دینے میں بہ ظاہر کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۳۶-۱۳۷)

اذان اور خطبہ کے وقت تلاوتِ قرآن مجید:

سوال: جمعہ کا احترام کر کے لوگ قبل از وقت مسجد میں آ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اذان کی آواز سن کر بھی تلاوت کرنے سے رکتے نہیں، حتیٰ کہ خطبۂ اولیٰ کے ختم تک تلاوت کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح اذان اور خطبۂ اولیٰ کے شروع ہونے پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا شرعاً درست ہے؟ (عبدالمنعم، نرمل)

الجواب

اگر تلاوتِ قرآن مجید کے درمیان اذان ہو جائے تو گو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، لیکن بہتر ہے کہ تلاوت سے رک کر اذان کا جواب دے، گو مسجد پہنچ چکا ہو پھر بھی مستحب طریقہ یہی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

(وإذا سمع المسنون منه) أي الأذان ... (أمسک) حتى عن التلاوة ليجيب المؤذن ولو في المسجد وهو الأفضل. (۲)

البتہ خطیب کے ممبر پر آنے کے بعد تلاوتِ قرآن مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، (۳) کہ حدیث شریف میں خطبہ کے دوران کسی بھی ایسے عمل کی ممانعت آئی ہے، جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔ (۴)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

(۱) ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ۲/ ٦٨۔

(۲) مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي، باب الأذان: ۸۰۔

(۳) مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي، باب صلاة الجمعة: ۲۸۳۔

(۴) اس بارے میں حدیث میں اتنی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے خطبہ دیتے وقت دوسرے گفتگو میں مشغول شخص کو خاموش کرنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔

==

اذان کے وقت تلاوت قرآن کا حکم:

سوال: اذان کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر پہلے سے تلاوت کر رہے ہوں اور اذان ہونے لگے تو تلاوت بند کر دینی چاہئے یا جاری رکھنی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو اس کے لئے تلاوت جائز ہے، اس پر اذان کا جواب ضروری نہیں ہے اور اگر تلاوت کرنے والا مسجد سے باہر ہے تو اس کو بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے۔(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔٣/١/١٣٧٥ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:٢/١٢٠) ☆

بوقت اذان تلاوت چھوڑ دینا مستحب ہے:

سوال: تلاوت کرتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو تلاوت میں مشغول رہے یا کہ تلاوت چھوڑ کر اذان سنے، اور اذان ختم ہونے کے بعد پھر تلاوت کرے؟ بینوا توجروا۔

== أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت و الإمام يخطب فقد لغوت".(صحيح البخارى،رقم الحديث:٩٣٤،باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب)

نیز دیکھئے:الصحيح لمسلم،رقم الحديث:٨٥١،أبو داؤد،رقم الحديث:١١١٢،محشى)

(١) دونوں صورتوں میں افضل و مستحب یہی ہے کہ جب تک اذان ہو قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دیتا رہے، اس لئے کہ بالاتفاق زبان سے اذان کا جواب دینا مندوب و مستحب ہے خواہ اذان سننے والا مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر۔[مجاهد]

"(وإذا سمع المسنون منه)أى الأذان وهوما لا لحن فيه ولا تلحين (أمسك) حتى عن التلاوة ليجيب المؤذن ولوفى المسجد وهو الأفضل".(مراقى الفلاح على هامش الطحطاوى:١٠٩)

وصرح فى العيون بأن الإمساك عن التلاوة والاستماع إنما هو أفضل وصرح جماعة بنفى وجوبها باللسان و أنها مستحبة حتى قالوا إن فعل نال الثواب وإلا فلا إثم ولا كراهة.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح : ١٠٩)

☆ **اذان کے وقت تعلیم قرآن کا حکم:**

سوال: اذان کے وقت قرآن خود پڑھتا یا بچوں کو پڑھاتا ہے تو روک دے یا پڑھاتا رہے؟

حامداً ومصلیًا، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان کے وقت تلاوت قرآن یا تعلیم موقوف کر دینا اور اذان کو سننا اور اس کا جواب دینا افضل ہے۔(كذا فى نفع المفتى،ص:٦٣)(... قارى سمع الأذان فالأفضل له أن يمسك ويستمع الأذان لورود الأثر.(نفع المفتى و السائل،ص:٤٥/ ذخيرة المسائل ترجمة نفع المفتى والسائل،ص:١٣٦)والله تعالٰى أعلم وعلمه أتم وأحكم(مرغوب الفتاویٰ:٢/١٢٤)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اور اس کا جواب دے۔

نقل العلاء رحمه اللّٰه تعالٰى عن النهر معزيًا إلى المحيط وغيره: أنه لايرد السلام ولايسلم و لايقرأ بل يقطعها ويجيب ولايشتغل بغير الإجابة. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى: وقال في المعراج: وفي التحفة: وينبغي للسامع أن لايتكلم ولا يشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم، آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لايرد السلام ليس للوجوب، وأنه يتفرع على القولين وإلا لزم وجوب ذلك في الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ. (رد المحتار: ٣٧١/١)(١) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

٢٠ر شوال ١٣٩٢ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٨٨/٢-٢٨٩)

اذان کے وقت ریڈیو سے تلاوت سننا:

سوال: ایک طرف مسجد سے تلاوت یا اذان ہو رہی ہو اور دوسری طرف ریڈیو پر اذان یا تلاوت ہو رہی ہو، تو ہمیں ریڈیو بند کر لینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ریڈیو کی تلاوت عموماً جو ریڈیو پر نشر کرنے سے پہلے ٹیپ کر لی جاتی ہے، تلاوت کا حکم نہیں رکھتی۔ اس لیے اذان سن کر اسے فوراً بند کر دینا چاہیے، (٢) یوں بھی اذان سن کر تلاوت بند کر دینے کا حکم ہے۔ (٣) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣١٢/٣)

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١.

(وكذلك لا يقرأ ولايسلم ولايرد السلام) ولايشتغل بعمل غير الإجابة، قوله (ويقطع القراءة لهما) أي للأذان والإقامة، فإن قلت: أليس هذا بتكرار لأنه قال أولاً (ولايقرأ)؟ قلت: لأن المراد بقوله: لايقرأ، هو أن لايشرع في القراءة عند الأذان والإقامة والمراد من قوله: ويقطع القراءة، هو أن يكون قارئاً فابتدى الأذان والإقامة، فافهم. (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في شروط الصلاة، باب الأذان: ٩٨/١. انيس)

(٢) وأمّا أذان الصبي الذي لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأن ما يصدر لا عن عقل لايعتد به كصوت الطيور، الخ. (بدائع الصنائع: ١٥٠/١، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان)

(٣) ولو كان السامع يقرأ يقطع القراءة ويجيب... إلخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، إجابة المؤذن: ٢٧٣/١)

ولاينبغي أن يتكلم السامع في حال الأذان والإقامة ولايشتغل بقراءة القرآن ولابشيء من الأعمال سوى الإجابة ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في الفتاوىٰ. (بدائع الصنائع، فصل وأما بيان ماتجب على السامعين عندالأذان: ١٥٥/١. انيس)

اذان کے وقت نفل نماز:

سوال: ایک شخص مغرب کی اذان کے وقت نفل پڑھتا ہے، آیا اذان کا جواب دینا بہتر ہے یا نفل پڑھنا اچھا ہے، پھر اوابین بھی نہیں پڑھتا، لیکن اذان کے وقت نفل ضرور پڑھتا ہے، ان حالات میں کیا زیادہ بہتر ہے؟

ھو المصوب

بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام مغرب کے وقت فوراً دو رکعت نفل پڑھ لیا کرتے تھے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو جائز ہے۔ (۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۹۰/۱)

اگر تقریر کے درمیان اذان ہو جائے:

سوال: ہمارے محلّہ کی جامع مسجد میں دینی اجتماع تھا، ایک مشہور عالم دین کی تقریر تھی، تقریر کے دوران اذان کا وقت ہو چکا تھا، مؤذن صاحب نے اذان شروع کی، لیکن ان صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (عبدالباسط، باکارم)

الجواب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مؤذن کہے وہی تم کہو۔ (۲) اسی لئے فقہا کی رائے ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ (۳)

لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص ذکر، یا تذکیر میں مشغول ہو تو اسے اذان کا جواب دینا چاہئے یا اپنے عمل کو جاری رکھنا اس کے حق میں بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ذکر، تلاوت اور تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، تو اس سے

(۱) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان المؤذن إذا أذن قام ناس من أصحاب النبي يبتدرون السواری حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب كم بين الأذان والإقامة، رقم الحديث: ٦٢٥/ الصحيح لمسلم، كتاب صلوٰة المسافرين، باب استحباب الركعتين قبل صلوٰة المغرب، رقم الحديث: ٨٣٧)

قوله "وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب" فإنه ذكره أنه ذهبت طائفة إلى ندب فعلها وأنه أنكره كثير من السلف وأصحابنا ومالك واستدل لذلك بما حقه أن يكتب بسواد الأحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفي المندوبية أما ثبوت الكراهة فلا، إلا أن يدل دليل آخر. (رد المحتار: ٣٥٣/٢، البحر الرائق: ٤٣٩/١)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٥٢٢، باب ما يقول إذا سمع المؤذن

(۳) الكبيرى شرح منية المصلى، ص: ٣٧٨، رد المحتار، باب الأذان: ٦٥/٢.

رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، یہ زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ذکر کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اذان کا جواب دینے کے لئے یہی وقت مقرر ہے، ورنہ اس ثواب اور فضیلت سے محروم رہے گا؛ البتہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو، تو سلسلہ منقطع کرنے کی ضرورت نہیں۔

"لا حائضا... و تعليم علم وتعلمه (الدرالمختار) **فعلى هذا لويقرأ تعليما أوتعلما لايقطع".** (١)

بیان بھی چوں کہ ایک حد تک تعلیم وتعلم کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے مقرر صاحب کا تقریر جاری رکھنا درست تھا، ... البتہ اگر اذان کا جواب کے لیے رکنے کے بعد بھی مقرر اپنا مضمون پورا کرسکتا ہو، تو بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب دے کر پھر سلسلۂ کلام کو پورا کرے؛ کیوں کہ اس میں تذکیر ودعوت کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، اور ایک شعائر اسلامی کا پورا پورا احترام بھی برقرار رہتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ١٣٨/٢-١٣٩)

وعظ کے دوران اذان شروع ہوجائے:

سوال: ایک شخص چند آدمیوں کو لے کر مسجد میں یا بیرونِ مسجد درس کی صورت میں کوئی دینی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے، یا زبانی وعظ کر رہا ہے، اسی دوران کسی نماز کی اذان کا وقت ہوجاتا ہے اور اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، اب کتاب سنانے والے کو کتاب پڑھنا بند کردینا چاہئے یا یہ کہ جاری رکھنا چاہئے؟ نیز اس صورت میں کتاب پڑھنے والے یا وعظ کہنے والے کو اور سننے والے اصحاب کو اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب اذان شروع ہوجائے تو کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر بند کرکے اذان کا جواب دیا جائے پھر دعاء اذان پڑھ کر کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر حسبِ موقع شروع کریں۔ ردالمحتار وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (٢)

---

(١) رد المحتار، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة: ٣٩٦/١۔

(٢) ("(ويجيب)...(من سمع الأذان)...(بأن يقول)بلسانه(كمقالته)...(إلا فى الحيعلتين)فيحوقل(وفى "الصلاة خيرمن النوم")...ويدعوا عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم...(فيقطع قراء ة القرآن لو كان يقرأ(بمنزله،ويجيب)لوأذان مسجده كما يأتى(ولوبمسجد،لا)؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع علىٰ قول الحلوانى،وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً،والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فى حديث:"إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول".(الدرالمختارمتن رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فى كراهة تكرار الجماعة: ٣٩٨/١-٣٩٩،سعيد)

==

حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قولوا مثل ما یقول المؤذن". (١)

فتح القدیر میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٤٢٧/٥-٤٢٨)

دوران وعظ اذان شروع ہوجائے، تو وعظ بند کرکے اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: ایک شخص دین کی باتیں کر رہا ہے، اذان شروع ہوگئی، تو کیا اس کو وہ دین کا وعظ اور تکرار بند کرکے اذان کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

اور مسجد کے اندر یا باہر بھی کوئی فرق ہے کہ مسجد میں جواب واجب نہیں اور باہر واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر وعظ وتکرار کو بند کرکے جواب دے تو اچھا ہے، اور اگر وعظ وتکرار کو جاری رکھے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں، اس لئے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

"(ویجیب وجوباً) وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة، الخ". (الدر المختار: ٣٦٧/١)

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله بخلاف قرآن) لأنه لایفوت (جوهرة) ولعله لأن تکرار القراءة إنما هو للأجر فلایفوت بالإجابة بخلاف التعلم، فعلى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحانی. (٣٦٨/١)

== "ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ٥٧/١، رشيدية)

(١) صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادی: ٨٦/١، قديمی

(٢) "لكن ظاهر الأمر في قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول" الوجوب؛ إذ لا تظهر قرينة تصرفه عنه بل ربما يظهر استنكار تركه أنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه. وفي التحفة: ينبغي أن لايتكلم ولايشتغل بشيء حال الأذان أو الإقامة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٤٨/١-٢٤٩، مصطفى ألباني الحلبي بمصر) (تحفة الفقهاء، والإقامة المعتبرة: ١١٧/١. انيس)

(قوله وقال الحلوانی ندباً): أی قال الحلوانی: إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم. (ردالمحتار: ۳٦۷/۱. باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة) **فقط والله أعلم**

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

مسجد وخارج کی تفریق حلوانی کے قول پر مبنی ہے۔

وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً. (الدرالمختار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ۳۷۰/۱)

والجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۱۲-۲۱۳)

اذان ہوتے وقت مؤذن اور سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: حالت اذان میں مؤذن اوراذان سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب

حالت اذان میں مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اس کے ذمہ جواب دینا لازم نہیں، لیکن اگر حالت اذان میں سوائے مؤذن کے اور کسی کو سلام کرے، تو مکروہ نہیں۔ **کما فی الشامی المجلد الأول، وحاصلها: أنه یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة ... أو الأذان أو الإقامة، الخ.** (۱) **فقط**

دستخط۔ ۴/صفر۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۳۰)

کیا اذان کھڑے ہوکر سننا چاہئے:

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے کلمات جب کان میں پڑیں، تو سننے والوں کو کھڑا ہوجانا چاہئے اور کھڑے ہوکر اذان کو سننا چاہئے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب ———— حامدًا و مصلیًا

محض زبان سے جواب دینے کے لئے کھڑا ہونا نہ مستحب اور نہ مسنون ہے، نہ کھڑے ہوکر اذا سننا مسنون ہے، البتہ اذان سن کر نماز کی تیاری کے لئے کھڑا ہوجانا بہتر اور مستحب ہے۔

"ویندب القیام عند سماع الأذان"، بزازیة. (الدرالمختار)

قال ابن عابدین: قلتُ: ویحتمل أن یراد بالقیام الإجابة بالقدم، وقد أخرج السیوطی عن أبی نعیم فی الحلیة بسند فیه مقال "إذا سمعتم النداء فقوموا فإنها عزمة من الله". (۲)

قال شارحه المناوی: أی اسعوا إلی الصلاة. (رد المحتار: ۲٦٦/۱) (۳) **فقط والله تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۲/٦۷-٦۸)

---

(۱) رد المحتار، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب المواضع التی لایجب فیها ردالسلام: ۵۷۷/۱، ظفیر) ==

چلتے ہوئے اذان سنائی دے، تو کیسے جواب دے:

سوال: بسا اوقات راستے میں چل رہے ہوتے ہیں کہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، ایسی صورت میں چلتے چلتے جواب دیتے رہیں، یا رک کر جواب دیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

بہتر یہ ہے کہ رک جائیں اور اذان کا جواب دیتے رہیں، فارغ ہونے پر چلنا شروع کر دیں۔

سمع الأذان وهو يمشي فالأولىٰ أن يقف ساعةً ويجيب كذا في القنية. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ٢٩/١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ـ ٢/٧/١٤١٠ھ ـ (خیر الفتاویٰ: ٢٢٦/٢)

افطار کی حالت میں اذان کے جواب کا حکم:

سوال: رمضان کے دنوں میں روزہ دار اذان کی آواز کے منتظر رہتے ہیں، اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی افطار کرنے لگ جاتے ہیں، اذان کا جواب نہیں دیتے تو سوال یہ ہے کہ جو لوگ جوابِ اذان ترک کر کے افطار میں لگ جاتے ہیں ان پر کسی قسم کا مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ اذان کا جواب دینا شرعاً کیسا ہے اور کھانے پینے میں مشغول ہو جانا کیسا ہے؟

حامداً ومصليًا، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

اذان کا جواب دینا بعض فقہا کے نزدیک واجب ہے، لیکن معتمد اور ظاہر ومفتیٰ بہ مذہب کی رو سے مستحب ہے۔

اختلف في الإجابة فقيل: واجبة وهو ظاهر ما في الخانية والخلاصة والتحفة وإليه مال الكمال، وقيل مندوبة وبه قال مالك والشافعي وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العيني. (الطحطاوي: ١٠٩)(١)

افطار کی حالت میں اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

"وكذا لا تجب عند الأكل". (البحر الرائق: ٢٦٠/١. باب الأذان)

== (وهكذا في الكبيرى للعلامة الحلبي، ص: ٣٦٣. قال: وفي التجنيس: لايكره الكلام عند الأذان بالإجماع، الخ. (جميل الرحمن)

(٢) حلية الأولياء لأبي نعيم، سعيد بن المسيب عن عثمان بن عفان عن النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ١٩٨٢) انيس)

(٣) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد. انيس

حاشيه صفحه هذا:

(١) حاشية الطحطاوي، باب الأذان: ص ٢٠٢ ـ مذکورہ عبارت میں درمیانی دو سطر ترک کی گئی ہے۔

اگر مسجد کی طرف جا رہا ہو؛ یا مسجد ہی میں ہو؛ تو بوجہ اجابت فعلی پائے جانے کے؛ زبان سے اذان کا جواب دینا ضروری نہیں۔

تکلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتی لو أجاب باللسان ولم یمش إلی المسجد لایکون مجیباً ولو کان حاضرًا فی المسجد حین سمع الأذان فلیس علیه الإجابة. (۱)

اگر جواب دیا تو ثواب ملے گا، جواب نہیں دیا تو ثواب نہیں ملے گا، لیکن مکروہ و گناہ نہیں۔ (فتاویٰ قاضیخان: ۱/ ۷۵ ـ ۷٦، برحاشیة الفتاویٰ الهندیة، مصر) (۲) **واللّٰه تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم**

(مرغوب الفتاویٰ: ۲/ ۱۲۵ـ۱۲٦)

اذان کے وقت پانی پینا:

سوال: ایک دن مغرب کی اذان کے وقت میں پانی پینے لگا، تو میرے ایک دوست نے کہا کہ اذان کے وقت پانی پینے سے سخت گناہ ہوتا ہے، میں وقتی طور پر اس کی بات مان گیا، لیکن دل میں یہ عہد کرلیا کہ اس مسئلے کو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ امید ہے کہ آپ اسے بھی ضرور حل کرنے کی کوشش کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مغرب کی اذان یا کسی بھی اذان کے وقت پانی پینا جائز ہے، آپ کے دوست کا خیال صحیح نہیں۔ (۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۱۱)

سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: سامعین اذان کو خواہ وہ جواب اذان دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی شخص کو ایسے مواقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

---

(۱) المحیط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والإلحان: ۱/ ۳۵۰ـ۳۵۱. انیس

(۲) ...: ۱/ ۷۹، وفیه: قوله علیه السلام: "من قال مثل ما یقول المؤذن فله من الأجر کذا" فهو کذلک إن قاله نال ثواب الموعود وإن لم یقل لم ینل ثواب الموعود فأما أن یأثم أو یکره له ذلک فلا. (مسائل الأذان)

(۳) وینبغی لسامع الأذان أن لایتکلم فی حال الأذان والإقامة ولا یشتغل بشیء سوی الإجابة. (الجوهرة النیرة، باب الأذان: ۱/ ٤٤)

فقہاء کرام کے مذکورہ جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان واقامت کے وقت بہتر ہے کہ خاموش رہ کر اذان کا جواب دیا جائے، دوسرے کسی عمل میں مشغول نہ ہوا جائے، لیکن اگر کوئی کسی عمل میں مشغول ہو گیا تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ انیس

الجواب

ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے اور اگر سلام کہا ہو، تو جو اذان کا جواب دے رہا ہے، اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔

لأن سماع الذكر كالذكر، كما في الدر المختار: وسلامك مكروه على ... مصل وتال ذاكر ومحدث خطيب ومن يصغي إليهم ويسمع.(١) فقط

(تتمہ اولیٰ، ص: ٣٧) (امداد الفتاویٰ جدید: ١/١٧١)

دورانِ اذان مسجد میں سلام کہنا:

سوال: جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو، تو مسجد میں داخل ہوتے وقت **السلام علیکم** کہنا چاہیے، یا خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے، یا کہ اذان سننے کے لیے کھڑا رہنا چاہیے؟

الجواب

اس وقت سلام نہیں کہنا چاہیے، بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے۔(٢) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣١٠)

باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب دینا:

سوال: ''بوقت اذان جو شخص باتیں کررہا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا'' یہ لکھا ہے بہار شریعت میں۔

الجواب　　حامداً ومصلیاً

اذان کا جواب دینا چاہئے، باتیں بند کردینا چاہئے، یہ طریقہ ناپسند ہے کہ باتیں ہوتی رہیں اور اذان کا جواب نہ دیا جائے۔(٣) مگر یہ غلط ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ٢٩/٧/١٣٨٨ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٤٢٩)

(١) **الدر المختار، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب المواضع التي یکره فیهاالسلام: ١/٦١٦. انیس**

(٢) **ولايسلم ولا يرد السلام، إلخ. (البحر الرائق: ١/٢٧٣، كتاب الصلاة، باب الأذان)**

(٣) **(ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته) ... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة: ١/٣٩٦، سعيد)**

"فإذا كان يتكلم في الفقه والأصول يجب عليه الإجابة". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٢٠٢، قديمي)

اذان کے وقت مسجد میں باتیں کرنا:

سوال: دو حدیثوں کا مفہوم ہے کہ ”اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے“ اور ”مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ۴۰/برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں“۔

اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں یا نماز کے لئے آتے وقت یا بوقتِ اذان لین دین کی باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے، تو شدید تکلیف ہوگی، ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان کے جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے۔ اگر نماز کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے؛ تو یہ اس حکم میں نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۱/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۰/۵)

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المسجد وعن البيع و الاشتراء فيه، وأن يتحلق الناس يوم الجمعة قبل الصلاة في المسجد. (رواه أبو داؤد و الترمذي)

(أخرجه أبو داؤد في باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة (ح: ١٠٧٩)/ والترمذي في باب ماجاء في كراهية البيع والشراء (ح: ٣٢٢) انيس)

”وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة“. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٧٠/١، قديمي)

(أخرجه البيهقي في السنن الكبرىٰ في باب فضل المشي إلى الصلاة (ح: ٢٧٠١)/ وابن أبي شيبة في باب كلام الحسن البصري (ح: ٣٥٣١٠)/ وابن حبان في باب ذكر الأخبار بأن من أمارة آخر الزمان (ح: ٦٧٦١) وكذا في موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، باب الجلوس في المسجد لغير الطاعة (ح: ٣١١) انيس)

”والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله“. (الدر المختار)

(قوله بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذٍ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. وفي صلاة الجلابي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ٦٦٢/١، سعيد)

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے:

سوال: اذان کے وقت دنیوی بات کرنا کیسا ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے، لہذا بلاضرورت بات نہیں کرنا چاہئے.

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى تحت(قوله لايرد السلام):وقال في المعراج: وفي التحفة: وينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضاً؛لأن الكل يخل بالنظم،آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لا يرد السلام ليس للوجوب وأنه يتفرع على القولين(وجوب إجابة الأذان وندبها)وإلا لزم وجوب ذلك في الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ.(رد المحتار: ۱/ ۳۷۱،باب الأذان،قل باب شروط الصلاة)**فقط والله تعالٰى أعلم**

غرہ جمادی الأولیٰ ۱۳۸۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۳-۲۸۴)

اذان کا جواب دینے کے دوران وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو؛ کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے،تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے،اسی وجہ سے فقہانے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے؛ کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے،تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جاسکتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن.(رواه البخاري: ۱/۸٦)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ:۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور؛ یعنی سلام وجواب سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔(عمدۃ الفقہ:۲/۴۲)

واللہ اعلم(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۱۰۰-۱۰۱)

اذان کے وقت باتیں کرنے اور وعظ کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) اذان سے پہلے مسجد میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ باتوں میں مشغول تھے، کہ اذان شروع ہوگئی، اب باتیں بند کرکے اذان کے الفاظ کا جواب دینا ضروری ہے یا باتیں جاری رکھیں؟

(۲) اگر کسی مجمع میں وعظ ہورہا ہو، اور اذان کی آواز آنے لگے تو اذان کی تکریم میں وعظ بھی بند کرنا چاہئے یا وعظ جاری رکھا جائے؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: محمد ایوب خان محلّہ شیام گنج مردان......۱۰/صفر ۱۳۹۲ھ)

الجواب

(۱) باتیں جاری رکھنا خلاف سنت کام ہے۔(۱) لأن إجابة الأذان سنة. (۲)

(۲) اگر اس وعظ میں تعلیم دین ہورہی ہو، تو وعظ کو جاری رکھنا مشروع ہے۔(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان)(۳) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱/۱۷۱)

بیت الخلا میں اذان کا جواب اور درود:

سوال: اگر کوئی شخص بیت الخلا میں ہو اور اسی حالت میں اذان کی آواز آنے لگے، یا مسجد گھر کے قریب ہو اور خطبہ یا بیان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو کیا اس حالت میں اذان کا جواب دیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے گا؟ (ایک بہن، جگتیال)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: وقال في المعراج: وفي التحفة: و ينبغي للسامع أن لايتكلم ولا يشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولا يرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم. آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ۱/۲۹٤)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛ لأن إجابة المؤذن ليست بأذان، وفي فتاوىٰ قاضي خان: إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لايأثم وأما قوله عليه الصلاة والسلام: من لم يجب الأذان فلاصلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط، وفي المحيط: يجب على السامع للأذان الإجابة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲٥۹)

(۳) قال ابن عابدين: (قوله وتعليم علم) أي شرعي فيما يظهر، ولذا عبر في الجوهرة بقراءة الفقه (قوله بخلاف قرآن) لأنه لا يفوت (جوهرة) ولعله؛ لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلىٰ هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/ ۲۹۲)

الجواب ــــــــــــــــــــ

قضاء حاجت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ ہے،(۱) اس لئے بیت الخلا میں زبان سے نہ اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ درود کے الفاظ پڑھے جاسکتے ہیں، دل ہی دل میں جواب دینے اور درود پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۳۴)

بوقت اذان قضاء حاجت کا حکم:

سوال: اذان ہوتے وقت بعض لوگ پیشاب و پائخانہ کی فراغت کے لئے منع کرتے ہیں اس کا کیا شرعی حکم ہے۔

خادم مشتاق احمد (محمد پور صدر اعظم گڑھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب اذان شروع ہوجائے تو پیشاب پائخانہ میں مشغول ہونا منع ہے، بلکہ باہر ہی رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے۔(۲)

اور اگر آدمی بیت الخلا میں ہے، تو وہ اذان کا جواب نہیں دے گا۔

وأجمعوا أن المتغوط لايلزمه الرد فی الحال ولا بعده. (۳) فقط واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور-۵/۳/۱۴۰۱ھ-(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۱۷)

---

(۱) عن ابن عمر: أن رجلاًمر ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یبول فسلم فلم یردعلیہ. (الصحیح لمسلم، باب التیمم (ح: ۳۷۰)

قال النووی: فیہ أن المسلم فی ھذا الحال لایستحق جواباً، وھذا متفق علیہ قال أصحابنا: ویکرہ أن یسلم علی المشتغل بقضاء حاجۃ البول والغائط فإن سلم علیہ کرہ لہ ردالسلام، قالوا: ویکرہ للقاعد علیٰ قضاء الحاجۃ أن یذکر اللّٰہ تعالیٰ بشیء من الأذکار، قالوا: فلایسبح ولایھلل ولایردالسلام ولایشمت العاطس ولایحمداللّٰہ تعالیٰ إذا عطس ولایقول مثل مایقول المؤذن، قالوا: وکذلک لایأتی بشیء من ھذہ الأذکارفی حال الجماع وإذا عطس فی ھذہ الأحوال یحمداللّٰہ تعالیٰ فی نفسہ ولایحرک بہ لسانہ وھذا الذی ذکرناہ من کراھیۃ الذکرفی حال البول والجماع ھو کراھۃ تنزیہ لاتحریم فلاإثم علی فاعلہ. وکذلک یکرہ الکلام علی قضاء الحاجۃ بأی نوع کان من أنواع الکلام ویشتثنیٰ من ھذا کلہ موضع الضرورۃ. (شرح النووی لمسلم، باب التیمم: ٤/٦٥. انیس)

(۲) بشرطیکہ پیشاب و پاخانہ کا شدید تقاضہ نہ ہو، ورنہ تقاضہ کی حالت میں اسے پورا کرنا چاہئے۔ انیس

ولاینبغی أن یتکلم السامع فی خلال الأذان والإمامۃ ولایشتغل بقراءۃ القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابۃ. (الفتاویٰ الھندیۃ: ۱/۵۷)

(۳) البحر الرائق، استقبال القبلۃ بالأذان والإقامۃ: ۱/٤٤۹-(کذا فی ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۷. انیس)

اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا کیسا ہے:

سوال: اذان شروع ہونے کے بعد پائخانہ پیشاب کو جانا درست ہے، یا جب اذان ختم ہوجاوے اس وقت جاوے؟ اور اگر بہت زور سے آرہا ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر ضرورت زیادہ ہو فوراً پوری کرے، انتظار ختم اذان کا نہ کرے اور اگر سخت ضرورت نہیں تو بہتر ہے کہ بعد اذان پوری کرے۔(١) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/١٣٠)

اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے:

سوال (١) اذان ہو رہی ہو، اس وقت وضو کرنا کیسا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاموش بیٹھ جاؤ، اذان ہو جائے، پھر وضو کرو، اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اذان کی آواز سنائی دے، تو کیا ایسی صورت میں تلاوت بند کر کے اذان سننا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھی جائے؟

(٢) امام کے ساتھ نماز پڑھتے وقت مقتدی سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

(١) وقت میں گنجائش ہو تو اذان کا جواب دے پھر وضو کرنے میں مشغول ہو، اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو اذان کی حالت میں وضو کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، مکان میں تلاوت کرتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی تلاوت موقوف کرے مسجد میں تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے بند کرے یا پڑھتا رہے۔(٢)

(٢) اس صورت میں مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے؛ ہاں! امام کے سلام کے بعد مسبوق مقتدی (باقی رہی ہوئی نماز کو پوری کرنے میں) کو ایسی غلطی کرے جو موجب سجدۂ سہو ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (٣) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ٣/٣٦-٣٧)

---

(١) ویندب القیام عند سماع الأذان،بزازیة.(الدر المختار)

قال الشارح:لم أره فیها فلتراجع نسخة أخریٰ، نعم رأیت فیها:سمع وهو یمشی،فالأفضل أن یقف للإجابة لیکون فی مکان واحد.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ١/ ٣٦٩،جمیل الرحمن)

(٢) إجابة المؤذن فضیلة وإن ترکها لایأثم .(البحر الرائق،باب إجابة المؤذن: ١/٢٧٣.انیس)

(٣) (السهو باعتبار الإمام والمأموم ویجب علی المأموم بسهو الإمام فإن ترکه الإمام وافقه المأموم وسهو المأموم لایوجب السجود)لأنه إن سجد هو خالف إمامه وإن سجد الإمام یؤدی إلی قلب الموضوع.(منحة السلوک شرح تحفة الملوک،فصل فی السهو: ١/ ٢٠٠.انیس)